الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

اگست ۲۰۱۰ء

گھٹائیں اٹھتی ہیں، بارشیں برستی ہیں، سیلاب آتے ہیں، مگر پانی پانی ہی رہتا ہے۔ وہ ایک خاص وقت ہوتا ہے جس میں بارانِ رحمت ایک قطرہ دہن صدف میں پہنچ کر گوہر آبدار بن جاتا ہے۔ یوں تو عبادت الٰہی، یادِ خداوندی بڑی نعمت ہے، ہر وقت، ہر زمانہ میں مقبول ہے لیکن مقبولیت کے مراتب ہیں بعض خصوصی اوقات ایسے ہیں، جو بارش کے قطرہ کی طرح اس کو گوہر آبدار اور دُرِّ شہوار بنا دیتے ہیں اور عبادت کی مقبولیت کی اس منزل پر پہنچا دیتے ہیں کہ دوسرے اوقات میں وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ وہ خاص وقت، سال کا مبارک مہینہ رمضان شریف ہے۔ جس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جس میں آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

(از: حضور حافظ ملت)

رمضان مبارک علیکم

مبارک حسین مصباحی

اپیل

دعوت خیر و برکت

............۷۸۶............

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور برصغیر کا شہرہ آفاق ادارہ ہے، اس کی تعلیمی اور تبلیغی خدمات گزشتہ ایک صدی کے دامن پر پھیلی ہوئی ہیں۔ فرزندانِ اشرفیہ ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ، عرب اور آسٹریلیا کے مختلف مقامات پر علمی اور دعوتی کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ مسلک اسلاف اور فکرِ رضا کی توسیع واشاعت میں بھی اشرفیہ نے کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔

ماضی کی ٹھوس اور وسیع خدمات، حالیہ رواں دواں ترقی پذیر نظام کے تناظر میں ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جامعہ اشرفیہ ہندوستان کی سب سے عظیم سنی درس گاہ ہے۔ جامعہ میں اس وقت درجنوں شعبے پوری فعالیت کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں، جب کہ حالات کا تقاضا ہے کہ ابھی مزید کچھ شعبوں کا اضافہ کیا جائے۔ تعلیمی شعبوں میں وسعت وامکان کا دباؤ بپھرے ہوئے سمندر کی طرح بڑھ رہا ہے۔ یہ احساس اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے جب ہزاروں طلبہ کو ہمیں شوال میں واپس کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت جامعہ کے مختلف تعلیمی شعبوں میں لگ بھگ ساڑھے آٹھ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ہاسٹلوں میں بیرونی طلبہ کی تعداد بھی قریب پندرہ سو ہے۔ تعلیم و تربیت کے ساتھ جن کے قیام و طعام کی کفالت بھی جامعہ ہی کے ذمہ ہے۔

مبارک پور کے اقتصادی کے عدم توزن اور آسمان چھوتی مہنگائی نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جامعہ کے رواں تعلیم و تعمیر کے نظام کو اپنے میزان پر کیسے باقی رکھا جائے۔ سال ختم ہونے سے پہلے ہی جامعہ کثیر خسارے سے دوچار ہے۔ حالات کی اس کڑی دھوپ میں بھی کاروانِ اشرفیہ بآں عزم وحوصلہ مسلسل آگے بڑھ رہا ہے اور انشاء اللہ بڑھتا ہی رہے گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ باشعور اور حساس اہل خیر نے کبھی کاروانِ اشرفیہ کو مایوس نہیں کیا، بلکہ آواز دے دے کر ہمارے کارواں کو زادِ سفر فراہم کیا ہے۔ اب بہاروں کا موسم سایہ فگن ہونے والا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اس برکت والے مہینے میں جامعہ کو ضرور یاد رکھیں گے۔ ہم پیشگی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے گراں قدر تعاون کو قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

الداعی الی الخیر
عبدالحفیظ عفی عنہ
(سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

ڈرافٹ بنام:
(مدرسہ اشرفیہ)

مزید تفصیل کے لیے رابطہ کریں: (05462)-250148, 250149, 250092

ویب- www.aljamiatulashrafia.org

ای میل- info@aljamiatulashrafia.org

رابطے کا پتہ: مجلسِ تعمیر وترقی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ۔ (یو۔ پی۔)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبدالعزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ
مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبدالحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۳۴ شمارہ ۸ | اگست ۲۰۱۰ء | رمضان ۱۴۳۱ھ

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ	THE ASHRAFIA MONTHLY	
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴	Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404	قیمت عام شمارہ: 15 روپے سالانہ: 150 روپے
چیک اور ڈرافٹ بنام **مدرسہ اشرفیہ** بنوائیں	کوڈ نمبر ——— 05462 دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149 الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092 دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122	سری لنکا، بنگلادیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے دیگر بیرونی ممالک $ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

نقوشِ قلم

اداریہ

آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا تعاون کیوں اور کیسے کریں!!!

مبارک حسین مصباحی

ہندوستان کے قدیم اداروں میں سب سے عظیم اور شہرۂ آفاق ادارہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ہے۔ ایک صدی کی بساط پر پھیلی ہوئی اس کی تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات چودھویں کے چاند کی طرح درخشاں اور فیض بار ہیں اور بفضلہ تعالیٰ جامعہ اشرفیہ کا کارواں آج بھی عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ صاحب کی پرعزم سربراہی میں ترقی کی شاہ راہ پر گام زن ہے۔ فرزندانِ اشرفیہ جو اپنے نام کے ساتھ مصباحی لکھتے ہیں، محسوس دنیا کے بیش تر ممالک میں دینی اور علمی خدمات میں مصروفِ عمل ہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں، ہر بڑے ادارے کے صیغۂ دین و دانش میں مصباحی فضلا ضرور نظر آئیں گے، بلکہ اب تو مساجد، مدارس اور تصنیف و تبلیغ کے اہم مراکز میں ذمہ داروں کی پہلی پسند فرزندانِ اشرفیہ ہوتے ہیں۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ کے تعلیمی اور تربیتی نظام کی مقبولیت آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔ اسی لیے جب شوال میں داخلے کا وقت ہوتا ہے تو ملک بھر سے طلبہ جوق در جوق مبارک پور کا رخ کرتے ہیں۔ ہمارے پاس اقامت گاہوں اور درس گاہوں کی قلت ہے۔ ۱۵۰۰ر سے زائد طلبہ کی ہوسٹلوں میں گنجائش نہیں ہوتی اس لیے محدود پیمانے پر داخلہ لینا پڑتا ہے اور ملک کے طول و عرض سے آئے ہوئے سیکڑوں طلبہ کو واپس کرنا پڑتا ہے، وہ لمحہ ذمہ دارانِ جامعہ کے لیے بڑا کرب ناک ہوتا ہے جب جامعہ کے گیٹ سے سیکڑوں طلبہ مایوس ہو کر واپس ہوتے ہیں۔

اس وقت جامعہ اشرفیہ میں تدریسی اور غیر تدریسی کثیر شعبے مصروفِ عمل ہیں۔ تعلیمی شعبوں میں طلبہ اور طالبات کی تعداد قریب ۹ر ہزار ہے اور مختلف شعبوں میں اسٹاف کی تعداد ۳۰۰ر سے بھی متجاوز ہے۔ کلیۃ الشریعہ یعنی درس نظامی میں مولویت، عالمیت، فضیلت، تخصص فی الفقہ، شعبۂ تقابل ادیان، حفظ اور تجوید کے شعبے ہیں جب کہ عصری تعلیم میں پرائمری، جونیئر ہائی اسکول، ہائی اسکول، انٹر کالج اور حافظ ملت انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبے ہیں۔ ان شعبوں میں طلبہ اور طالبات کے شعبے علاحدہ علاحدہ ہیں۔

مسئلہ صرف تعلیم و تربیت کا نہیں بلکہ قریب ۱۵۰۰ر طلبہ کے قیام و طعام کا مفت انتظام بھی کیا جاتا ہے، ہاسٹلوں میں مستطیع طلبہ کی تعداد انتہائی قلیل ہے۔ ملک بھر کے سنی مسلمانوں کا دباؤ ہے کہ جامعہ اشرفیہ کے شعبوں میں وسعت پیدا کی جائے، ہم سب کی نیک خواہشات کی دل سے قدر کرتے ہیں مگر صرف خوب صورت آرزوؤں سے تو چمن بندی نہیں ہوتی۔ سفیروں اور ذمہ داروں کو نگر نگر کی خاک چھاننی پڑتی ہے تب جا کر موجودہ نظام کو کسی طرح باقی اور جاری رکھا جاتا ہے۔ اہل ثروت کروڑوں روپے ہر سال زکوٰۃ و صدقات کے نام پر نکالتے ہیں، مگر افسوس دینی تعلیم کے میدان میں اس کا خاطر خواہ نتیجہ نظر نہیں آتا۔ کانفرنسوں اور عرسوں کے نام پر بھی قوم کا بہت بڑا سرمایہ صرف ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ کانفرنسوں اور عرسوں کے اجتماعات کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے، مگر اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کو تعلیم اور دینی تعلیم کی ضرورت ہے۔ آج ملک بھر میں غیر اہل سنت کے بڑے بڑے دار العلوم ہیں، جہاں سے ہزاروں طلبہ فارغ ہو کر ملک بھر میں اپنے مسلک و مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں اور اپنے دینی تعلیمی اداروں کو قریہ قریہ نگر نگر فروغ دے رہے ہیں، مگر جب اہل سنت کے علما اور سربر آوردہ حضرات سے بد مذہبوں کے بڑھنے اور اہل سنت کے سمٹنے کی بات کی جاتی ہے تو وہ عام طور پر بس ایک ہی جواب دے کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ یہ سب قیامت کے آثار ہیں، اللہ اپنے دین کی حفاظت خود فرمائے گا۔

محترم حضرات! اس تمہیدی گفتگو کے بعد اگر آپ میری جانب متوجہ ہو چکے ہوں تو چند باتیں پوری توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ عہد حاضر کے ہندوستان میں جامعہ اشرفیہ اہل سنت کی سب سے بڑی دینی ضرورت ہے اور اس کی تائید و اعانت اس وقت سب سے بڑی دینی اور علمی

خدمت ہے۔ آپ اپنا تعاون سب کو پیش کریں مگر اتنا خیال رہے جو ادارہ ۵۰۰ر طلبہ کی تعلیم و تربیت اور قیام و طعام کی کفالت کر رہا ہے وہ آپ کے تعاون کا زیادہ مستحق ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت جامعہ اشرفیہ کمر توڑ مہنگائی اور بڑھتے اخراجات کی وجہ سے ہر پل خسارے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ طے شدہ منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے تعمیری سلسلہ بھی سال کے بارہ مہینے جاری رہتا ہے اور وسیع خطۂ ارض پر پھیلے ہوئے تعمیری کام بھی آپ ہی حضرات کی جانب سر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔

جب "اشرفیہ" کا یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو رمضان المبارک کا موسم بہاراں آپ کے سروں پر سایہ فگن ہوگا۔ رمضان کی بر کتیں سنی آبادیوں پر ابر باراں کی طرح ٹوٹ کر برس رہی ہوں گی۔ اس لیے ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارے کسی سفیر کو خالی ہاتھ واپس نہیں کریں گے اور اگر آپ تک ہمارا کوئی سفیر اور ذمہ دار نہ پہنچ سکے تو خدارا آپ اپنے تعاون کی فہرست میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا نام سر فہرست خود درج کر لیں۔ اس طرح آپ دوہرے اجر کے مستحق ہوں گے، تعاون کرنے کے بھی اور سب سے زیادہ مستحق ادارے تک تعاون پہنچانے کے بھی۔ اس کمپیوٹرائز دور میں آپ کو چل کر آنے کی ضرورت نہیں بلکہ جامعہ کے پتے پر اپنی رقوم بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں، یا بینک کے ذریعہ بآسانی ارسال کر دیں۔ ایڈریس کی تفصیلات اس مضمون کے آخر میں درج ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے تعاون کے لیے ہم ذیل میں چند طریقے درج کرتے ہیں:

① **عمومی تعاون:** تعلیمی اور تعمیری نظام کو جاری رکھنے کے لیے اپنے صدقات و خیرات سے حسب استطاعت تعاون فرمائیں اور یہ سلسلہ سال بہ سال جاری رکھیں۔

② **جدید ہاسٹل:** سردست ایک جدید ہاسٹل کی شدید ضرورت ہے۔ یہ ہاسٹل ۵۰ر کمروں پر مشتمل ہوگا۔ ایک کمرے کی لاگت کا تخمینہ ۲ر لاکھ روپے ہے۔ آپ اپنے یا اپنے مرحوم بزرگوں کے نام سے ایک یا چند کمرے تعمیر کرانے کی ذمہ داری قبول کریں۔ جو کمرے آپ کے تعاون سے تعمیر ہوں گے ان کی پیشانی پر من جانب فلاں اور برائے ایصالِ ثواب فلاں کے نام کی تختی لگادی جائے گی جو ان شاء اللہ کمرے کی عمر طبعی تک باقی رہے گی۔

③ **جدید درس گاہ:** طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے شدید تقاضے کے پیش نظر ایک عظیم درس گاہی بلڈنگ کا منصوبہ بھی بن چکا ہے۔ یہ پر شکوہ عمارت بڑے درس گاہی ہالوں پر مشتمل ہوگی، اس کے ایک کمرے کا تخمینہ ۴ر لاکھ روپے طے پایا ہے۔ ہاسٹل کے ذیل میں مذکورہ تفصیل کے مطابق آپ ایک یا چند کمروں کی تعمیری ذمہ داری قبول فرمالیں۔ اس طرح جامعہ کے تعلیمی نظام کو آگے بڑھانے میں آپ جامعہ کے بڑے معاون ثابت ہوں گے۔

④ **عزیز المساجد:** جامعہ کے احاطے میں ایک عظیم الشان مسجد ہے۔ اس کا کل رقبہ ساڑھے باسٹھ ہزار مربع فٹ ہے۔ مسجد کا ڈھانچہ مکمل ہوچکا ہے، لیکن ابھی فنشنگ یعنی فرش و پلاسٹر کا کام نامکمل ہے۔ ابھی مسجد کے چھ مینار بھی تعمیر ہونے ہیں، اسی کے ساتھ حوض اور وضو خانوں کی تعمیر بھی باقی ہے۔ آپ مسجد کی مجموعی تعمیر میں بھی حصہ لے سکتے ہیں اور خدا توفیق دے تو مسجد کی تعمیر کا کوئی خاص کام بھی اپنے ذمہ لے سکتے ہیں۔

⑤ **حافظ ملت ہاسپٹل:** حافظ ملت ہاسپٹل کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے، ان شاء اللہ آئندہ سال سے باضابطہ ہاسپٹل کا آغاز بھی ہو جائے گا۔ ابھی چیک اپ وغیرہ کے لیے متعدد مشینوں کی خریداری باقی ہے۔ ذمہ دارانِ ادارہ نے طے کیا ہے کہ اس ہاسپٹل میں انتہائی سستا اور معقول علاج کا انتظام کیا جائے گا اور نادار طلبہ اور غریب مسلمانوں کا علاج مفت کیا جائے گا۔ صحت و علاج میں رقم خرچ کرنا بھی بہت بڑا کارِ ثواب اور اجر عظیم کا ذریعہ ہے۔ آپ اپنا تعاون دواؤں اور ہاسپٹل کے دیگر اخراجات کے لیے بھی کر سکتے ہیں۔

⑥ **حافظ ملت طبیہ کالج:** عرصۂ دراز سے اراکین ادارہ کی کوششیں جاری تھیں کہ جامعہ کے زیر اہتمام ایک طبیہ کالج بھی ہو۔ مسلسل جد و جہد کے بعد اب طبیہ کالج کی منظوری اپنے آخری دور سے گزر رہی ہے۔ قانونی امور کی تکمیل کے بعد ان شاء اللہ حافظ ملت طبیہ کالج کا آغاز بھی ہو جائے گا۔ طبیہ کالج کے لیے بھی متعدد عمارتوں کی ضرورت ہے۔ آپ اس مد میں بھی اپنا تعاون پیش کر سکتے ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مدارس کو جدید علوم کے میدانوں میں پیش رفت کرنا چاہیے۔ جامعہ اشرفیہ نے جدید علوم کے فروغ میں بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انٹر کالج پہلے ہی سے جاری ہے۔ اب حافظ ملت طبیہ کالج کا باضابطہ آغاز ہونے جا رہا ہے۔ اگر آپ حضرات کی دعائیں اور اعانتیں رہیں تو ان شاء اللہ یہ پہاڑ کے

برابر منصوبہ بھی بہت جلد زمین پر اتار دیا جائے گا۔

⑦ **امام احمد رضا لائبریری:** جامعہ کی متعدد لائبریریاں ہیں، مرکزی لائبریری امام احمد رضا لائبریری ہے، جس میں مختلف علوم و فنون اور مختلف زبانوں میں ہزاروں اہم اور نادر و نایاب کتابیں اور مخطوطات کا قیمتی سرمایہ بھی ہے۔ ادارے نے گزشتہ چند برسوں میں لاکھوں روپے کے سرمائے سے کتابیں ملک اور عرب ممالک سے خریدی ہیں، لیکن لائبریری ایک ایسا شعبہ ہے جہاں ہر وقت اور ہر موضوع پر ھل من مزید کی صدائیں گونجتی رہتی ہیں۔ اسی کے ساتھ عربی کے طلبہ کو مفت درسی کتابیں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ آپ حضرات لائبریری کے نگراں حضرات سے رابطہ کر کے ضروری کتابوں کو وقف کر سکتے ہیں اور یہ ایک عظیم علمی صدقۂ جاریہ ہوگا۔ موقوفہ کتب پر وقف کرنے والوں کے نام باضابطہ تحریر کیے جاتے ہیں۔

⑧ **نادار طلبہ کی کفالت:** بہت سے حضرات کی خواہش ہوتی ہے کہ غریب و نادار طلبہ کی کفالت اپنے ذمہ لیں۔ جامعہ میں سیکڑوں غریب، نادار اور یتیم طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، جن کے قیام و طعام کا مفت انتظام کیا جاتا ہے۔ ایک ماہ کا ایک طالب علم کا خرچ تقریباً ایک ہزار ہوتا ہے۔ آپ ایک یا چند طلبہ کی کفالت بھی اپنے ذمہ لے سکتے ہیں۔ یہ ایک نہ ختم ہونے والا صدقۂ جاریہ ہے۔ طالبانِ علوم نبویہ حافظ، قاری، عالم، فاضل، مفتی اور محدث ہو کر دینی تعلیم کو فروغ دیں گے، پھر ان کے تلامذہ اس سلسلے کو آگے بڑھائیں گے۔ اس طرح یہ سلسلہ روے زمین پر جب تک جاری رہے گا آپ کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

⑨ **حافظ ملت انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی:** یہ بھی جامعہ کا ایک اہم شعبہ ہے جہاں دینی طلبہ کو مفت کمپیوٹر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جامعہ کے نئے نصاب میں تمام طلبہ کو کمپیوٹر کی تعلیم دینا لازمی ہے، مگر افسوس بلڈنگ اور کمپیوٹرس کی قلت کی وجہ سے یہ منصوبہ ابھی نامکمل ہے۔ عربی درجات کے پندرہ سو طلبہ میں سے صرف دو سو طلبہ کے لیے ہی کمپیوٹر تعلیم کا نظم ہے۔ کمپیوٹر کی تعلیم کے لیے موجودہ بلڈنگ ناکافی ہے۔ بروقت دوسری منزل کی تعمیر پیش نظر ہے۔ آپ اس کارِ خیر میں بھی ایک یا چند کمروں کی تعمیر اپنے ذمے لے سکتے ہیں یا کم از کم ایک یا چند کمپیوٹر خرید کر وقف کر سکتے ہیں۔ عصری حالات کے پیش نظر علماے دین کے لیے بھی کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔

⑩ **ماہ نامہ اشرفیہ:** جامعہ اشرفیہ کے شعبۂ نشریات سے ہر ماہ پابندی سے ماہ نامہ اشرفیہ نکلتا ہے جو ایک معتبر و مستند جریدہ ہے۔ دین و دانش، فقہ و تصوف اور ملک و ملت کے حوالے سے گراں قدر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس کا زر سالانہ ۱۵۰ر روپے ہے۔ آپ خود خریدار بنیں اور اصلاحِ امت کے لیے اپنے احباب و متعلقین کے لیے جاری کرائیں، دعوت و تبلیغ کا یہ ایک موثر اور دیرپا طریقہ ہے۔ اسکولز، کالجز اور دینی اداروں کے طلبہ کو بھی اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں، نئی نسلوں کی فکری تطہیر اور اسلامی ذہن سازی ہماری اولین دعوتی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔

اس موسم بہاراں میں ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ہماری یہ تحریر رائگاں نہیں جائے گی، بلکہ آپ پوری توجہ کے ساتھ ہمارے معروضات پر غور کریں گے اور اولین فرصت میں دست تعاون دراز فرما کر دارین کی سعادتوں سے سرفراز ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین و علم کی بے لوث خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

نوٹ: چک اور ڈرافٹ کے لیے یاد رکھیں اپنی رقوم......

بمد تعمیر بنام الجامعۃ الاشرفیہ Al-Jamiatul Ashrafia
بمد تعلیم بنام مدرسہ اشرفیہ Madrasa Ashrafia ارسال کریں۔

بمد تعلیم
(1)- DARUL ULOOM ASHRAFIA = UNION BANK OF INDIA A/C 303002010021745
(2)- DARUL ULOOM ASHRAFIA = ORIENTAL BANK OF COMMERCE A/C 05752010021920

بمد تعمیر
(4)- ALJAMIATUL ASHRAFIA = ORIENTAL BANK OF COMMERCE A/C 05752010021910
(3)- ALJAMIATUL ASHRAFIA = UNION BANK OF INDIA A/C 303002010021744

مصارف زکوٰۃ

اور ہماری ذمہ داریاں

محمد عبد المبین نعمانی قادری

زکوٰۃ کی اہمیت: - دین کے فرائض میں زکوٰۃ ایک اہم فرض ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"قرآن عظیم میں ۳۲ر جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے بندوں کو اس فرضِ اہم کی طرف بلایا۔ صاف صاف فرمادیا کہ زنہار (ہرگز) نہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دی تو مال میں سے اتنا کم ہو گیا بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے۔ "یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ" (اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔ کنز الایمان: بقرہ ۲/ ۲۷۶) ـــــ بعض درختوں میں کچھ اجزاے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہو جاتے ہیں کہ پیڑ کی اٹھان کو روک دیتے ہیں، احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہو جائے گا، پر عاقل ہوش مند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا۔ یہی حساب زکاتی مال کا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۴۳۳، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

زکوٰۃ کا نماز سے بہت گہرا تعلق ہے، اس لیے قرآن پاک میں بار بار نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ نماز اہم العبادات ہے تو زکوٰۃ بھی افضل الفرائض ہے کہ بے زکوٰۃ کے نماز قبول نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

"أُمِرۡنَا بِإِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَإِیۡتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَمَنۡ لَّمۡ یُزَکِّ فَلَا صَلَاۃَ لَہٗ." (المعجم الکبیر للطبرانی بسند صحیح ۱۰/ ۱۰۳، الترغیب للمنذری ۱/ ۵۴۰)

ترجمہ:- ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز نہیں۔

اور انھیں کی دوسری روایت ہے:

"قَالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: مَنۡ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَلَمۡ یُؤۡتِ الزَّکٰوۃَ فَلَیۡسَ بِمُسۡلِمٍ یَنۡفَعُہٗ عَمَلُہٗ." (الترغیب والترھیب للمنذری ۱/ ۵۴۰)

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو نماز ادا کرے اور زکوٰۃ نہ دے وہ مسلمان نہیں کہ اسے اس کا علم کام آئے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۴/ ۴۳۸)

دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے یہ بات یقین کے اجالے میں آجاتی ہے کہ زکوٰۃ کا نماز اور ایمان سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ پہلے زکوٰۃ نہ دینے والے کے لیے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں، دوسرے میں فرمایا کہ وہ ایسا مسلمان نہیں کہ اس کو اس کا عمل کام دے۔ یعنی زکوٰۃ کے بغیر دیگر اعمالِ صالحہ کی مقبولیت بھی خطرے میں ہے۔

زکوٰۃ کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ نماز تو صرف خدا کا حق ہے، لیکن زکوٰۃ خدا اور بندگانِ خدا دونوں کا حق ہے، نماز کی قضا تو آسان ہے کہ جب آدمی توبہ کرے گا پڑھنا شروع کر دے گا، اس میں پیسے کا کوئی سوال نہیں، لیکن زکوٰۃ تو توبہ کے بعد بھی مال ہی سے ادا کرنی ہوگی اور جو شخص سال بہ سال ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا نہ کر سکا ہو وہ اکٹھے کئی سالوں کی کیسے ادا کر پائے گا۔ نماز کی قضا ادا کرنے میں صرف وقت لگتا ہے اور ذرا سی مشقت بھی جھیلنی پڑتی ہے، لیکن سالوں کی زکوٰۃ کو یک مشت ادا کرنا یقیناً بہت شاق اور گراں ہے۔

زکوٰۃ نہ دینا ایک مسلمان کے لیے بہت بڑا گناہ ہے، یہاں تک کہ قرآن نے اس کو مشرکین کے اعمال میں شمار کیا ہے، گویا زکوٰۃ نہ دینا ایمان کی نفی پر دلالت کرتا ہے، جیسے نماز نہ پڑھنا کفر کی علامت ہے اور کفار کا طریقہ جیسا کہ مروی ہے:

"عن عبد اللّٰہ بن شقیق ن العقیلی رضی اللّٰہ عنہ قال: کَانَ اَصۡحَابُ مُحَمَّدٍ لَا یَرَوۡنَ شَیۡئًا مِنَ الۡاَعۡمَالِ تَرۡکُہٗ کُفۡرٌ غَیۡرَ الصَّلٰوۃِ." (الترغیب والترھیب ۱/ ۳۷۹)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن شقیق تابعی عقیلی رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے تھے سوا نماز کے۔

قرآن پاک کی ایک آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ترکِ زکوٰۃ خاص مشرکین کا فعل ہے۔ ارشاد ہے:

"وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۷﴾" (حٰم السجدۃ: ۴۱/ ۶، ۷)

ترجمہ:- اور خرابی ہے شرک والوں کو وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینا خاص مشرکوں اور آخرت کے منکروں کی علامت ہے، یعنی جسے آخرت کے بدلے پر یقین نہیں ہے، وہی زکوٰۃ سے پہلو تہی کرتا ہے۔

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"یہ منع زکوٰۃ سے خوف دلانے کے لیے فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ زکوٰۃ کو منع کرنا (نہ دینا) ایسا برا ہے کہ قرآن کریم میں مشرکین کے اوصاف میں ذکر کیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو مال بہت پیارا ہوتا ہے، تو مال کا راہِ خدا میں خرچ کر ڈالنا اس کے ثبات و استقلال (استقامت) اور صدق و اخلاصِ نیت کی قوی دلیل ہے۔" (خزائن العرفان)

اور اس کی تو بہت سی ایسی آیتیں ہیں کہ ایمان والوں کی شان ہی یہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور صحیح معنوں میں یہی مسلمان کامیاب ہیں۔ صرف ایک مقام اختصار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

"قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴿۴﴾" (المؤمنون: ۲۳/ ۱ تا ۴)

ترجمہ:- بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات (توجہ) نہیں کرتے، اور وہ جو زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔ (کنز الایمان)

تو ایمان والوں کی شان یہی ہے کہ وہ نماز اور دیگر اعمالِ خیر کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے اور حقیقت میں یہی مسلمان کامیاب ہیں۔

مصارف زکوٰۃ: - زکوٰۃ اسلام کے ان محاسن میں ہے جس کا جواب دنیا کے کسی اور مذہب یا کسی اور نظام میں نہیں۔ یہ اسلامی نظام کا وہ اہم عنصر ہے جس سے انسان کے پورے معاشرے کو درست کیا جا سکتا ہے۔ اس میں عدل و مساوات کا بھی درس ہے اور غریبوں کو امیروں سے قریب کرنے کا بہترین وسیلہ بھی ہے، اگر زکوٰۃ کی ادائگی صحیح طور سے ہو اور اس کی تقسیم کا مناسب انتظام بھی کیا جائے تو اس سے معاشرے کی بہت ساری برائیاں، سرقہ، گداگری، لالچ، تکبر اور بخل جیسی مذموم خصلتوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج زکوٰۃ کی غلط تقسیم نے اس کی افادیت کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ جیسے اہم فریضے کو ادا ہی نہیں کرتے، ان کا عمل تو قابلِ افسوس ہے ہی، جو لوگ پورے طور سے زکوٰۃ نکالتے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ زیادہ تر صرف اپنے سر سے بوجھ اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے اہلِ فکر حضرات کو چاہیے کہ اس نقطے پر غور کریں کہ ہمیں اپنے اموال زکوٰۃ کو کیسے مفید سے مفید تر بنانا ہے اور اس فنڈ سے ہمیں معاشرے میں کیسے انقلاب لانا ہے۔ ہم ذیل میں پہلے مصارف زکوٰۃ کے تعلق سے قرآنی ارشاد پیش کریں گے، پھر چند نکات اور مسائل کی طرف اشارہ کر کے دعوتِ عمل دیں گے:

"وَالَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۲۵﴾" (المعارج: ۷۰/ ۲۴، ۲۵)

ترجمہ:- اور وہ جن کے مال میں ایک معلوم (مقرر) حق ہے (یعنی زکوٰۃ) اس کے لیے جو مانگے اور جو مانگ بھی نہ سکے تو محروم رہے۔ (کنز الایمان)

ان آیات میں حکم دیا گیا کہ دونوں قسم کے محتاجوں کو صدقے کا مال دیا جائے، انھیں بھی جو حاجت کے وقت سوال کر لیتے ہیں اور انھیں بھی جو شرم سے سوال نہیں کرتے جس کی وجہ سے ان کی محتاجی ظاہر نہیں ہو پاتی۔ یہ آیت ان لوگوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو صرف سائلوں کا انتظار کیے بیٹھے رہتے ہیں اور جو آیا اس کو دے دیتے ہیں، جب کہ سائلوں میں بہت سے وہ بھی ہوتے ہیں جو سوال کا حق نہیں رکھتے، یا خوش حال ہوتے ہیں مگر وہ اپنی چرب زبانی کی وجہ سے ڈھیروں رقمیں اکٹھا کر لے جاتے ہیں اور خاموش ضرورت مند محروم ہی رہ جاتے ہیں، لہٰذا زکوٰۃ دینے والوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ کچھ وقت خاموش محتاجوں کی تلاش میں بھی لگائیں اور خاص طور سے اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں اور رشتہ

داروں کو بھی دیکھیں کہ جو ان میں مستحق ہو اس کو نظر انداز نہ کریں۔

مذکورہ آیت میں مستحقین میں صرف سائل و محتاج کا تذکرہ ہے تفصیل نہیں ہے۔ اب قرآن پاک کی وہ آیت ملاحظہ ہو جس میں مستحقین زکوٰۃ کی تفصیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝" (التوبۃ: ۹/ ۶۰)

ترجمہ:- زکوٰۃ تو انھیں لوگوں کے لیے ہے ❶ - محتاج، ❷ - اور نرے نادار، ❸ - اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں، ❹ - اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے، ❺ - اور گردنیں چھڑانے میں، ❻ - اور قرض داروں کو، ❼ - اور اللہ کی راہ میں، ❽ - اور مسافر کو۔ (کنز الایمان)

زکوٰۃ کے مستحق یہی آٹھ قسم کے لوگ قرار دیے گئے ہیں، ان میں سے مولفۃ القلوب باجماعِ صحابہ ساقط ہو گئے، کیوں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہیں رہی۔ یہ اجماع زمانۂ صدیق اکبر میں منعقد ہوا۔

(اب باقی مستحقین کی تعریف درج کی جاتی ہے)

❶ - **فقیر**: وہ ہے جس کے پاس ادنیٰ چیز ہو اور جب تک اس کے پاس ایک وقت کے لیے کچھ ہو اس کو سوال حلال نہیں۔

❷ - **مسکین**: وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، وہ سوال کر سکتا ہے۔

❸ - **عاملین**: وہ لوگ ہیں جن کو امام مسلمین نے صدقے تحصیل کرنے پر مقرر کیا ہو، انھیں اتنا دے جو ان کے اور ان کے متعلقین کے لیے کافی ہو، اگر عامل غنی ہو تب بھی اس کو لینا جائز ہے۔ عامل اگر سید ہاشمی ہو تو وہ زکوٰۃ میں سے نہ لے۔

❹ - **گردنیں چھڑانے** سے مراد یہ ہے کہ جن غلاموں کو ان کے مالکوں نے مکاتب کر دیا ہو اور مال کی ایک مقدار مقرر کر دی ہو کہ اس قدر وہ ادا کر دیں تو آزاد ہیں، وہ بھی زکوٰۃ کے مستحق ہیں، ان کو آزاد کرانے کے لیے زکوٰۃ کا مال دیا جائے۔ (غلامی کا دور گیا اس لیے اب مکاتب بھی نہ رہے)۔

❺ - **قرض دار**: جو بغیر کسی گناہ کے قرض میں مبتلا ہوئے ہوں اور اتنا مال نہ رکھتے ہوں کہ جس سے قرض ادا کریں، انھیں ادائے قرض میں زکوٰۃ کے مال سے مدد دی جائے۔

❻ - **اللہ کی راہ** میں خرچ کرنے سے بے سر و سامان مجاہدین اور نادار حاجیوں پر صرف کرنا مراد ہے۔

❼ - **ابن سبیل** سے وہ مسافر مراد ہیں جن کے پاس مال نہ ہو۔

زکوٰۃ دینے والے کو یہ بھی جائز ہے کہ وہ ان تمام اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک ہی قسم کو دے۔

زکوٰۃ جب انھیں لوگوں کے ساتھ خاص کی گئی تو ان کے علاوہ اور دوسرے مصرف میں خرچ نہ کی جائے گی، نہ مسجد کی تعمیر میں نہ مُردے کے کفن میں، نہ اس کے قرض کی ادائیں۔

زکوٰۃ بنی ہاشم اور غنی اور ان کے غلاموں کو نہ دی جائے اور نہ آدمی اپنی بیوی اور اولاد اور غلاموں کو دے۔

(تفسیر احمدی و مدارک بحوالہ خزائن العرفان)

اوپر سورہ معارج کی آیت گزری کہ صدقہ و خیرات کے مستحق حاجت مند سائل اور وہ خاموش محتاج ہیں جو عام طور سے محروم رہ جاتے ہیں، مگر اس مضمون کو دوسرے انداز سے سورۂ بقرہ شریف کی مندرجہ ذیل آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے جو غور سے پڑھنے اور عمل کرنے کے لائق ہے۔ ملاحظہ ہو:

"لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ" (البقرۃ: ۲/ ۲۷۳)

ترجمہ:- (مال صدقہ) ان فقیروں کے لیے ہے جو راہِ خدا میں روکے گئے، زمین میں چل نہیں سکتے، نادان انھیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب، تو انھیں ان کی صورت سے پہچان لے گا (وہ) لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑ گڑانا پڑے۔ (کنز الایمان)

یعنی صدقات کا بہترین مصرف وہ فقرا ہیں جنھوں نے اپنے نفوس کو جہاد و طاعت پر روک رکھا ہے، جیسے سرکارِ اقدس ﷺ کے زمانے میں "اصحابِ صفہ"۔ انھیں میں وہ حضرات بھی ہیں جنھیں دینی کاموں سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ وہ چل پھر کر کسب معاش کر سکیں اور اپنے بال بچوں کی کفالت کر سکیں، انھیں میں وہ طلبہ بھی ہیں جو دینی علوم کی تحصیل میں لگے ہوئے ہیں اور کسب معاش کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کر پاتے اور عزت نفس کی وجہ سے مانگتے نظر

مسائل و مباحث

نہیں آتے۔ انھیں میں وہ معلمین بھی ہیں جو نہایت ہی قلیل تنخواہوں پر بچوں کی دینی تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں، نہ زکوٰۃ والے انھیں زکوٰۃ دیتے ہیں، نہ منتظمین مدرسہ ان کو کشادہ دستی سے تنخواہ ہی دیتے ہیں اور معلم ہونے کی وجہ سے وہ گداگری جیسا پیشہ بھی اختیار نہیں کر پاتے۔ خاص طور سے ان میں وہ جو کثیر العیال ہیں اور گھریلو کوئی آمدنی بھی نہیں رکھتے، ان کی زندگی کس مفلوک الحالی میں گزرتی ہے، کچھ وہی جانتے ہیں۔ کتنے معلمین کو میں نے دیکھا ہے کہ تنگ دستی سے تنگ آ کر تعلیم کا کام ہی چھوڑ بیٹھے اور کسی دنیاوی کاروبار یا مزدوری میں لگ گئے جس سے وہ معلمی کے مقابلے میں دوگنا یا تین گنا آمدنی کر کے اپنے بال بچوں کو پالنے پوسنے کے لائق ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی بہت سے ذہین اور اچھے طلبہ کو دیکھا گیا کہ محض اخراجات کی کفالت نہ ہونے کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے کسی صنعت و حرفت یا محنت و مزدوری کی راہ اختیار کر لیتے ہیں کیوں کہ بالعموم مدارس کی طرف سے بمشکل دو وقت کا کھانا ہی مل پاتا ہے وہ بھی ایسا کہ کھایا نہیں جاتا۔ خوش حال طلبہ تو خارجی طور پر کچھ ایسا انتظام کر لیتے ہیں جس سے وہ مطبخ کی کمی پوری کر لیتے ہیں، لیکن جن طلبہ کو کوئی کچھ دینے والا نہیں ہوتا وہ اکثر بڑی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض خوش حال طلبہ بھی قصور وار ہیں کہ غریب طلبہ کے سامنے اتنے اخراجات کر ڈالتے ہیں کہ وہ غریب طلبہ دل مسوس کر رہ جاتے ہیں اور اپنی مفلوک الحالی سے رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہو کر تعلیم کا راستہ ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں، بالعموم مدارس کی طرف سے صبح ناشتے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ کتنے نادار طلبہ بغیر ناشتہ کے درس گاہ جاتے ہیں، انھیں دوپہر ہی کو پیٹ کی آگ بجھانا نصیب ہوتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے طلبہ کیا پڑھیں گے اور تعلیم میں کتنی دل چسپی لیں گے۔ مدارس میں ایسا کوئی فنڈ ہونا چاہیے جو ان نادار طلبہ کی کفالت کرے اور اہل خیر حضرات کو بھی چاہیے کہ سائلین کی بھیڑ کچھ کم کر کے ان ضرورت مند طلبہ کی بھی کچھ فکر کریں اور طریقہ وہ اپنائیں کہ ان کی عزت نفس پر بھی حرف نہ آنے پائے اور ان کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔

تقسیم زکوٰۃ میں احتیاط: - زکوٰۃ تقسیم کرنے والوں میں بہت کم لوگ محتاط ہیں جو اپنی زکوٰۃ کو احتیاط کے ساتھ مستحقین تک پہنچاتے ہیں، ورنہ زیادہ تر لوگوں کو یہی دیکھا گیا ہے کہ جو آیا لیتا گیا۔ ان کی صدا یہی ہوتی ہے کہ آتے جاؤ، لیتے جاؤ، انھیں مستحق غیر مستحق کی نہ کوئی فکر ہوتی ہے نہ تمیز اور نہ ہی اس کے لیے وہ ذرا سی زحمت برداشت کرنا چاہتے ہیں۔ سال بھر اپنے کاروبار میں تو خوب چھان پھٹک کر سودا لیتے دیتے ہیں، ہر وقت فکر لگی رہتی ہے کہ نقصان نہ ہو جائے، مگر تقسیم زکوٰۃ کے معاملے میں پوری غفلت برتتے ہیں۔ انھیں اس کی فکر ہی نہیں ہوتی کہ زکوٰۃ ادا بھی ہو گی یا نہیں۔ یہ صورت حال عام سائلین سے لے کر مدارس کے محصلین تک عام ہے۔ یعنی مستحق، غیر مستحق سبھی زکوٰۃ وصول کر لیتے ہیں اور دینے والے آزادی سے دیتے رہتے ہیں۔

ایک بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ تھوڑی تھوڑی رقم بہت آدمیوں میں بانٹنے کا بھی رواج عام ہے۔ مانا کہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے مگر معاشرے کی بدحالی کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ مناسب تو یہی ہے کہ چند ضرورت مندوں کو منتخب کر کے پہلے ان کی ضرورتوں کو پوری کرنے کی کوشش کریں پھر دوسرے سال چند دوسرے مستحقین پر توجہ دیں۔ تاکہ ان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوں۔ روزانہ کا کھانا پینا تو جیسا بھی ہو ہر آدمی کم و بیش اس کا انتظام کر لیتا ہے، لیکن مکان کی ضرورت، بیمار ہے تو علاج کی ضرورت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، یوں ہی کاروبار نہیں ہے تو اس قدر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کرا دیا جائے کہ جس کی وجہ سے وہ خود کفیل ہو جائے۔ اس طرح بہت سے غریبوں کو چند سال تک انتظار کرنا پڑے گا مگر ایک زمانہ وہ آئے گا کہ معاشرے کا چہرا چمک جائے گا، مفلوک الحالی کے دن پھر جائیں گے اور اس کی برکتوں سے یہ صاحبِ ثروت طبقہ بھی مزید خوش حالی کی طرف بڑھتا نظر آئے گا۔

زکوٰۃ فنڈ: - ضرورت اس بات کی ہے کہ زکوٰۃ فنڈ قائم کیے جائیں اور ان کے ذریعہ مستحقین کا پتہ لگا کر زکوٰۃ کی صحیح تقسیم عمل میں آئے، بعض مقامات پر رفاہی انجمنیں پہلے سے قائم ہیں، ان میں کسی ایک انجمن کو منتخب کر کے اس کو زکوٰۃ فنڈ کا ذمہ دار بنا دیا جائے اور وہ مشورے کر کے، کوئی مفید نظام قائم کرے، جس سے ضرورت مندوں تک زکوٰۃ کی رقم پہنچتی رہے۔ خطیر رقمیں اگر چند آدمیوں کو دینی ہوں تو زیادہ تعداد ہونے کی صورت میں قرعہ سے کام لیا جائے اور جن کو ایک سال خطیر رقم دے دی جائے تو پھر چند سال تک انھیں نہ دیا جائے، وہ دی ہوئی رقم کو کام میں لا کر اپنا مستقبل روشن بنانے کی کوشش کریں۔ البتہ معذورین کی مستقل اعانت کی جائے۔

زکوٰۃ کے ساتھ نفل صدقات: - بعض لوگ ہر وقت اور ہر کام میں صرف زکوٰۃ ہی کی رقمیں خرچ کرنے کے عادی ہیں اور زکوٰۃ کے بعد چاہے کیسا ہی ضرورت مند آجائے وہ ایک پیسہ دینا گوارا نہیں کرتے، یہ نظریہ بھی غلط ہے، اولاً تو زکوٰۃ کی رقم پیشگی بھی دی جا سکتی ہے۔ اگر زکوٰۃ کی رقم ختم ہو گئی تو آئندہ سال کے حساب میں شمار کرتے ہوئے ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جائے۔ اور زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی للہ فی اللہ خرچ کرنے کی عادت ڈالی جائے، صرف زکوٰۃ ہی پر اکتفا نہ کیا جائے، جیسے اور عبادات میں نوافل کی اہمیت ہے کہ ان سے فرائض کی کوتاہیاں پوری ہوتی ہیں ویسے ہی زکوٰۃ میں بھی سوچنا چاہیے کہ اگر فرض کے ساتھ کچھ نفل صدقہ بھی ادا ہو گیا تو اس کا ثواب ہرگز رائیگاں نہیں جائے گا اور اس کے طفیل فرض زکوٰۃ کی کوتاہیاں معاف ہونے کی امید ہے۔ لہٰذا صرف فرض پر اکتفا کرنے والے سن لیں کہ کوتاہی عمل سے کوئی خالی نہیں اور کسی کا عمل قطعاً مقبول ہے اس کا پتہ نہیں، اس لیے مقبولیت کے اسباب میں یہ بھی ہے کہ آدمی فرض کے ساتھ نفل کا بھی اہتمام کرے تاکہ قبول کی زیادہ امید ہو، البتہ نفل نہیں دیا تو مواخذہ نہیں ہو گا، لیکن اسے بیکار سمجھنا اور اس کی طرف سے غفلت کرنا بھی صحیح نہیں، اور کسی نیکی کو ہلکا نہیں سمجھنا چاہیے، کیا معلوم کون سی نیکی مقبول ہو جائے، یوں ہی کسی نیکی پر گھمنڈ بھی نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہر وقت خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے، کیا معلوم کون سی نیکی، ذرا سی کوتاہی یا غفلت کی وجہ سے مردود ہو جائے۔

بلکہ قرآن پاک کی ایک آیت سے بھی زکوٰۃ کے علاوہ نفل صدقات کی ترغیب ملتی ہے۔ خدائے قدیر عزوجل نیکوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

"وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ"

(البقرۃ: ۲/ ۱۷۷)

ترجمہ:- ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ (آدمی) ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردن چھڑانے میں (یعنی غلاموں کو آزاد کرانے میں) اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے۔ (کنز الایمان)

زکوٰۃ کے تذکرے سے پہلے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، راہ گیر (مسافر) سائل اور غلام آزاد کرانے میں مال خرچ کرنے کو نیکی بتایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی جس قدر ہو سکے مال خرچ کرتے رہنا چاہیے تاکہ نیکیوں کا ذخیرہ ہوتا رہے، اور نماز و زکوٰۃ تو فرض ہیں ان کو بہر حال ادا کرنا ہے اور سب میں پہلے ایمان لانے کا ذکر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر ایمان یہ نیکیاں قابلِ قبول نہیں اور ان کا پورا پورا فائدہ بغیر ایمان کے نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس آیت کے آخر میں عہد پورا کرنے والوں اور سختی میں صبر کرنے والوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے:

"اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝"

(البقرۃ: ۲/ ۱۷۷)

ترجمہ:- یہی سچے لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں۔

مذکورہ افعال بجالانے والے ایمان دار ہی سچے اور متقی کہے جانے کے لائق ہیں گویا نفل صدقات والوں کی بھی تعریف کی گئی ہے۔

دوسری بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ فرض زکوٰۃ کے علاوہ اہل خیر حضرات جو عام حالات میں کسی پر خرچ کریں گے وہ صدقۂ نافلہ ہو گا۔ لیکن ہنگامی صورتِ حال میں ضرورت پڑنے پر صاحبِ مال کا مال خرچ کرنا نفل ہی نہیں فرض ہو گا، اور اس کو نفل سے زیادہ فرض کا ثواب ملے گا اور اس کی کوئی حد اور مقدار متعین نہیں ہے بلکہ جیسی ضرورت ہو گی اس کے مطابق خرچ کرنا ہو گا۔ مثلاً کوئی راہ گیر مسلمان انتقال کر گیا، اس کے وارثین کا بھی پتہ نہ چلا تو اب عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے کفن دفن کا انتظام کریں، یہ بمنزلہ فرض کے ہے، جو جس قدر خرچ کے لائق ہے اپنے پاس سے خرچ کرے اور اگر ایک ہی صاحب ثروت ہے باقی وہاں کے باشندے سب غریب اور مفلوک الحال ہیں تو اسی ایک ہی آدمی پر پورا خرچ کرنا واجب ہو گا اور اس میں زکوٰۃ کی رقم نہیں چل سکتی، اس لیے نفل صدقہ ہی سے اس کی تدفین عمل میں آئے گی، لیکن یہ نفل اب فرض کا درجہ لے لے گا۔

مقروض کو زکوۃ دینے کی اہمیت: - مستحقین زکوٰۃ میں ایک گروہ "غارمین" یعنی مقروضوں کا بھی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے

ان کی بھی امداد کی جائے تاکہ ان کا قرض ادا ہو جائے اور وہ قرض کے بوجھ سے سبک دوش ہو جائیں۔ دیکھا یہ جاتا ہے کہ بہت سے متوسط الحال یعنی اوسط درجے کے لوگ جو کماتے کھاتے اور معمولی انداز سے گزر بسر کرتے ہیں لیکن کسی وجہ سے وہ مقروض ہو جاتے ہیں، مثلاً کوئی سخت بیمار پڑ گیا، اس کے دوا علاج میں مقروض ہو گئے، مکان مخدوش ہو گیا تھا، اس کی مرمت کی وجہ سے قرض کا بوجھ لد گیا، یا اچانک کسی حادثے کا شکار ہو گئے، مثلاً لوٹ اور چوری سے دوچار ہو گئے، اس طرح وہ قرض کے بوجھ تلے دب گئے، روزانہ کی آمدنی سے اتنا پس انداز نہیں ہوتا کہ اس سے قرض ادا کر سکیں اور بھی بہت سی جائز شکلیں ہیں جن کے سبب کوئی مقروض ہو گیا تو ایسے مقروض اشخاص کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کرنی چاہیے۔ تاکہ وہ قرض سے بری الذمہ ہو جائیں۔ اور ایسے اکثر اشخاص وہ ہوتے ہیں جو کھل کر کسی سے کہنا اپنے وقار کے خلاف سمجھتے ہیں، لہٰذا ایسے لوگوں کی خبر رکھنی چاہیے اور انھیں تلاش کر کے ان کی مدد کرنی چاہیے۔ ہاں گناہ کے کاموں کی وجہ سے جو مقروض ہو اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں، اس سلسلے میں شارحِ بخاری و مسلم مفسر القرآن حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی تفسیر تبیان القرآن کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جو بڑا فکر انگیز اور قابل عمل ہے:

"مقروض سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جائز ضروریات میں مقروض ہوں نہ کہ وہ لوگ جنھوں نے کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے قرض لیا ہو، مثلاً کسی نے سنیما ہاؤس، ویڈیو شاپ یا شراب کی دکان کھولنے کے لیے قرض لیا ہو، مثلاً کسی نے بے جا خرچ اور اسراف کے لیے قرض لیا ہو، مثلاً کسی نے اپنے بچوں کی شادی کے سلسلے میں مروجہ رسومات بڑے پیمانے پر منعقد کی ہوں اور مقروض ہو گیا ہو اور اس قرض کو ادا کرنے کے لیے اس کے پاس رقم نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہیے۔"

(تبیان القرآن، ج: ۵، ص: ۱۷۹، ادبی دنیا، دہلی)

حیلۂ شرعی میں غفلت: - مصارف زکوٰۃ کے ضمن میں ابھی بہت سی تفصیلات ہیں، میں اب صرف ایک گوشے پر مختصراً روشنی ڈال کر مضمون کو اختتام تک پہنچانا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آج کل حیلہ شرعی کا مسئلہ بڑا عجیب ہو گیا ہے، تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بہت سے مدارس زکوٰۃ کی رقمیں بغیر حیلہ ہی کے خرچ کر ڈالتے ہیں جو سخت گناہ اور مِلکِ غیر میں تصرف و خیانت ہے، اس طرح زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوتی، البتہ اس کا گناہ مدارس کے ذمہ داروں کے سر ہے اور اگر زکوٰۃ دینے والا جانتا ہے کہ یہ لوگ حیلہ شرعی نہ کریں گے تو وہ بھی گنہ گار ہے اور اس کے سر زکوٰۃ باقی ہی رہے گی۔

اور کبھی کبھی بلکہ بہت کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ محصل حضرات زکوٰۃ فطرے کی رقمیں سرے سے جمع ہی نہیں کرتے اور کھا جاتے ہیں اور بہت تو ایسے ہیں کہ اپنا کمیشن نکال کر جمع کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ عامل شرعی تو ہیں نہیں، لہٰذا ان کا از خود زکوٰۃ کی رقم سے اجرت لینا بھی کسی طرح جائز نہیں، بلکہ عامل شرعی کو بھی جائز نہیں کہ زکوٰۃ کی رقم سے کچھ یا اپنی اجرت بھر مال رکھ لے باقی جمع کرے، یہ بھی خیانت اور گناہ ہے۔ حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس کو ہم کوئی کام سونپیں تو وہ قلیل اور کثیر (کم اور تھوڑا) ہر چیز لے کر آئے، پھر اس کو جو دیا جائے وہ لے لے اور جو نہ دیا جائے وہ نہ لے۔ (مسلم شریف و ابو داؤد بحوالہ تبیان القرآن، ۵/ ۱۷۲)

ایسے ہی محصلوں کو جو امانت میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں نصیحت اور تنبیہ کرتے ہوئے حضرت شارحِ بخاری فقیہ اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ مصنف "نزہۃ القاری" فرماتے ہیں:

"سال پورا ہونے پر فوراً زکوٰۃ واجب ہے، دینی مدارس کے منتظمین پر لازم ہے کہ ان کے یہاں جب زکوٰۃ کی رقم آئے تو بلا تاخیر حیلہ شرعی کر لیں۔ چندہ کے محصلین اور سفرا کو یہ جائز نہیں کہ زکوٰۃ و فطرے کی رقم جو وصول کریں اسے خود اپنی ضروریات میں صرف کریں۔ اور جو محصل ایسا کرتا ہو اسے چندہ دینا جائز نہیں۔"

(اشتہار ماہِ رمضان الجامعۃ الاشرفیہ)

بلکہ حکم ہے کہ ایسے محصلین کو مدرسے والے رسید ہی نہ دیں۔

زکوٰۃ کا ایک اہم مقصد: - زکوٰۃ کے متعلق یہ بات بطورِ خاص نوٹ کرنے کے لائق ہے کہ زکوٰۃ کا اصل مقصد کیا ہے؟ قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝"

(التوبۃ: ۹/ ۱۰۳)

ترجمہ:- اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل

کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعاے خیر کرو، بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ (کنز الایمان)

یعنی زکوٰۃ کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرنے والا پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے، اور اس کا دل بھی دنیا کی محبت اور مال کی وجہ سے جو تکبر پیدا ہو گیا تھا اس سے پاک ہو جاتا ہے یوں ہی اس کا مال بھی پاک ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"مَنْ اَدّٰی زَکٰوۃَ مَالِہٖ فَقَدْ اَذْھَبَ اللّٰہُ شَرَّہٗ."

(فتاویٰ رضویہ : ٤/ ٤٣٤)

جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نکال دی تو بے شک اللہ تعالیٰ نے اس مال کا شر اس سے دور کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! میں بہت مال دار ہوں تو مجھے بتائیں کہ کیا کروں، کیسے خرچ کروں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کہ وہ پاک کرنے والی ہے، تجھے پاک کر دے گی۔ (اور اس کے ذریعہ) رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کر اور مسکین پڑوسی اور سائل کا حق پہچان۔ (بہارِ شریعت: ٥/٩)

محصل زکوٰۃ کو راضی رکھنا: - مذکورہ آیت اور احادیث کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ آدمی کو اور اس کے مال کو پاک صاف کرتی ہے اور اس کے مال کے شر کو دور کرتی ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سرکار کو حکم ہوا کہ زکوٰۃ جس سے لیں اس کے حق میں دعا کریں لہٰذا یہ عمل بھی سنت ہوا۔ آج بھی ایسا ہونا چاہیے کہ جو زکوٰۃ تحصیل کرے وہ دینے والے کے حق میں دعاے خیر کرے اور دینے والے پر واجب ہے کہ عامل یا محصل کو راضی رکھے، اس کو ذلیل نہ کرے، اسے جھڑکے نہیں، اس کے آنے کو برا نہ جانے اس کا احسان ہے کہ دروازے پر آ کر تمہاری زکوٰۃ لے گیا ورنہ تمھیں اسے لے کر غریبوں کے گھر جانا پڑتا اور ہو سکتا ہے کہ اس میں اہل ثروت حضرات اپنی بے عزتی سمجھتے اور نتیجہ کے طور پر زکوٰۃ ہی روک بیٹھتے، یا ادا میں تاخیر کرتے جب کہ، دونوں ہی گناہ ہے۔ اس سلسلے میں بھی دو حدیثیں دیکھتے چلیں۔ رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا:

"اِذَا اَتَاکُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْیَصْدُرْ عَنْکُمْ وَھُوَ عَنْکُمْ رَاضٍ."

(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب إرضاء الساعی ١/ ٣٤٦)

ترجمہ:- جب تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا آئے تو اسے تمہارے پاس سے راضی ہو کر جانا چاہیے۔

یعنی اس کو راضی رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ تمہاری بد خلقی سے وہ تمہارے پاس سے ناراض اور کبیدہ خاطر ہو کر جائے اور اس سلسلے میں اگر اس کی طرف سے کچھ سختی بھی ہو تو برداشت کرنی چاہیے، جب کہ محصلوں کو بھی حکم ہے کہ وہ تحصیل زکوٰۃ میں کسی قسم کی زیادتی نہ کریں۔ ایک حدیث میں ہے:

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا کہ دیہات کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! زکوٰۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے آئیں ان کو خوش رکھو، پھر حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے کوئی زکوٰۃ تحصیل کرنے والا مجھ سے ناراض ہو کر نہیں گیا۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب ارضاء السعاۃ ١/ ٣٢٠)

یہاں زیادتی سے مراد سختی ہے اور عامل جب تک سختی نہ کرے گا مال ملنا مشکل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عامل کو راضی کرنے کا حکم دیا۔ اس سے وہ لوگ سبق لیں جو محصلین کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرتے ہیں اور انھیں حقیر سمجھتے ہیں۔

زکوٰۃ کا صحیح مصرف میں خرچ کرنا: - زکوٰۃ کا دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ اس سے فقرا و مساکین کی کفالت ہو، ان کی ضروریات اس سے پوری ہوں، ان کی مشکلات کا حل نکلے، ان کی مفلوک الحالی کا خاتمہ ہو، اس لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا۔

حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا تو ان کو کچھ ہدایات دیں، ان میں یہ بھی ہے۔

"فاعلمھم ان اللہ قد افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاءھم فترد فی فقرانھم الخ" (صحیح مسلم، کتاب الایمان، ١/ ٣٦)

ترجمہ:- تم ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے اغنیا سے لی جائے گی اور جو فقرا ہیں ان پر خرچ کی جائے گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کا ایک خاص مقصد فقرا کی امداد ہے۔ اب اگر اس کو امرا پر خرچ کیا جائے تو اس کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، اس لیے زکوٰۃ کے پیسے سے وہ کام جائز نہیں جس کا تعلق فقرا سے نہ ہو، حتی کہ حیلہ شرعی بھی کر کے ایسے کاموں سے بچنا ضروری ہے، مثلاً کچھ لوگ زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے مساجد میں لگاتے ہیں، یہ سراسر ناجائز ہے، اور اس کو مدارس پر قیاس کرنا بھی غلط ہے۔ کہ مدارس میں ضرورتِ شرعیہ متحقق ہونے کی صورت میں حیلے کی اجازت دی گئی ہے، جب کہ مسجد میں ایسا ہرگز نہیں۔ پھر مساجد میں چوں کہ امرا بھی نماز پڑھتے ہیں وہ خود اس کے لیے بڑھ چڑھ کر چندہ لیتے اور دیتے ہیں جب کہ مدارس کے طلبہ کے ساتھ سوتیلا سلوک برتا جاتا ہے۔ مدارس میں خاص غریب اور نادار طلبہ کی ضروریات کی کفالت اور دین کی ترویج و اشاعت مقصود ہوا کرتی ہے اور مدارس میں طلبہ و اساتذہ کا مستقل قیام ہوتا ہے اس لیے ان کی ساری سہولیات کا اہتمام ضروری ہے۔ مساجد میں جز وقتی ہی قیام ہوتا ہے چند منٹ میں نماز کا کام ہو جاتا ہے، جب کہ مدارس میں ایسا نہیں، ضرورت پڑنے پر خوشی سے مساجد کے لیے عطیات کی رقم مل جایا کرتی ہے۔ مساجد کی تعمیر بار بار نہیں ہوتی اور مستقل اخراجات بھی اس کے کم سے کم ہوتے ہیں، جب کہ مدارس کے روزانہ کے اخراجات کثیر ہوا کرتے ہیں، اس لیے مساجد میں حیلہ کر کے بھی زکوٰۃ کی رقم لگانا جائز نہیں۔ فقہ کا کلیہ ہے کہ جو چیز ضرورتاً جائز ہوتی ہے وہ ضرورت بھر ہی جائز رہا کرتی ہے۔ لہٰذا مساجد میں زکوٰۃ دینے والے اچھی طرح جان لیں کہ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اور حیرت تو یہ ہے کہ مساجد کی تزئین بھی زکوٰۃ کے پیسے سے کرتے ہیں جب کہ فقہا فرماتے ہیں وقف کے مال سے مساجد کی تزئین جائز نہیں، کوئی اپنے نجی مال سے کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

دوسری حیرت کی بات یہ دیکھنے میں آئی کہ اہل ثروت حضرات خود اپنے مکانات عالی شان بنواتے ہیں اور بہت سے غیر ضروری اخراجات بھی کرتے ہیں، لیکن مساجد کے لیے غریبوں کا حق مارتے ہیں اور اللہ کے گھر میں اللہ کے بندوں کو محروم کر کے ان کی رقمیں لگاتے ہیں۔ بعض لوگ مدارس اور علماے دین سے بغض کی وجہ سے بھی ایسا کرتے ہیں کہ لاؤ اب مدارس کے بجاے مساجد میں زکوٰۃ لگا دو تا کہ ان مولویوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ یہ تو اور سخت مذموم اور عاقبت کو تباہ کرنے والی حرکت ہے۔ اس سلسلے میں چندہ کرنے والے بعض حضرات بھی چندہ بڑھانے کے لیے اہل ثروت حضرات کو حیلے کا باب بتاتے رہتے ہیں اور اس پر توجہ نہیں دیتے کہ یہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ مولا عز و جل چندہ دینے اور لینے والے دونوں گروہ کو اس کی توفیق دے کہ غریبوں کا حق نہ ماریں، جو جس کا حق ہے اسی کو دیں۔

زکوٰۃ اور شادی: - یہ بات تو ما قبل کی تحریر سے واضح ہو گئی کہ شادی کی فضول رسوم میں پیسہ خرچ کرنا شرعاً ناجائز و گناہ ہے، حتی کہ اس کی وجہ سے جو مقروض ہو اس کو زکوٰۃ کی رقم خاص اس قرض کی ادائیگی کے لیے نہ دی جائے، لیکن معتدل انداز سے اگر کوئی غریب آدمی اپنی بچیوں یا بچوں کی شادی کرتا ہے، تب بھی اچھا خاصا خرچ آ جاتا ہے، اگر اس کے لیے کوئی قرض مانگے تو اس کو دینا جائز یا جو اس وجہ سے مقروض ہو گیا اس کو بھی زکوٰۃ کی رقمیں دینا جائز تا کہ اس سے وہ اپنا قرض ادا کر لے اور پیشگی بھی اس کے لیے زکوٰۃ کی رقمیں دینا جائز ہے۔ لیکن یہاں ایک باریک مسئلہ قابلِ غور ہے کہ اگر وہ شخص جس کے لڑکے یا لڑکی کی شادی ہو رہی ہے ضرورت مند تو ہے لیکن اس کے پاس اتنی رقم ہے جس سے وہ مالک نصاب بن جاتا ہے یا رقم تو نہیں لیکن چاندی اور سونے کی اتنی مقدار ہے کہ دونوں کی رقم ملائیں نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو اب وہ زکوٰۃ لینے کے لائق نہیں۔ اس کو زکوٰۃ کی رقم دی گئی تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ اس صورت میں اس کی ضرورت پوری کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم بجاے گھر کے ذمہ دار فرد کے، اس کی لڑکی یا لڑکے یا بیوی کو دے کر مالک بنا دیا جائے جب کہ وہ مالک نصاب نہ ہوں اور یہ کہہ دیا جائے کہ اس رقم کے تم مالک ہو، اس سے اپنے بھائی، بہن، یا ماں سے کہا جائے اپنی بیٹی بیٹے کی شادی کا انتظام کرنا، مالک تو وہ علی الاطلاق ہوں گے اور یہ شرطیں باطل ہو جائیں گی لیکن اس سے ان کو اشارہ مل جائے گا کہ کہاں خرچ کرنا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور شادی کی فوری ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ اس میں مزید یہ تاکید بھی کی جا سکتی ہے کہ دیکھو اس رقم سے کوئی ناجائز کام نہ ہونے پائے۔ افراط کے ساتھ جہیز دینا بھی انھیں ممنوع کاموں میں ہے، ہاں متوسط درجے کا جہیز دیا جا سکتا ہے جس کے نہ دینے سے آدمی خفت محسوس کرے، ہاں تنگ دست لوگ قرض کر کے جو جہیز دیتے ہیں اور جو لوگ جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں دونوں ناجائز ہے، اور مطالبہ کرنے والے زیادہ گنہ گار ہیں اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆

فکرِ امروز

جدید علم کلام

چھٹی قسط

قضا و تقدیر کا بیان

مولانا محمد اسحاق مصباحی

قمریں کاتبِ تقدیر سے کہہ دوں گا محشر میں
مرے حصے میں دل آیا تو وہ بھی بے قرار آیا

سابقہ قسطوں میں علم کلام کے چند مقاصد پر ہم گفتگو کر آئے ہیں، علم کلام کا ارتقا، تاریخ، علم کلام کی کتابیں، صفات واجب، بیانِ رسالت۔ اب اس باب میں ایمان بالقضا والقدر کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

اس تحریر کے زمانے میں بہت سے واقعات رونما ہوئے جو فکر امروز کے کالم میں شامل ہونے چاہئیں تھے، مگر اطمینان کی بات ہے کہ چند نام ور اہل قلم حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی، محترم خوشتر نورانی، محترم مولانا مبارک حسین صاحب مصباحی، حجاز جدید، جام نور، اشرفیہ میں ان واقعات پر کماحقہ فکر انگیز تحریریں پیش فرما رہے ہیں، اس لیے میں ایسے موضوعات انتخاب کر لیتا ہوں کہ کام کی خواہ مخواہ تکرار نہ ہو۔ اس تحریر کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہماری موجودہ نسل علم کلام کے تعلق سے فکر مند رہے، کیوں کہ اس سے عقائد کی حفاظت کا کام ہوتا ہے اور یہ تبلیغ دین ہی میں سے ہے، جو تبلیغ دین اشرفیہ کی تحریکوں میں سے خاص ہے۔

اس لیے ہم عقائد کی تفصیل کے ساتھ کتابوں کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ میں گم راہ نظریات کا بھی۔

قضا و قدر: قضا و قدر کے مسئلے کا تعلق علم کلام کے چند مسائل سے ہے۔ بندوں کے افعال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بندے صرف اپنے افعال کا اکتساب کرتے ہین، ثواب وعقاب کیوں ہے، کائنات کا موجودہ نظام کیوں ہے، ان مسائل کا بنیادی تعلق قضا و قدر کے عقیدے سے ہی ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس میں ادیان و مذاہب، فلاسفہ، سب حیران ہیں، حالاں کہ ہر طبقہ نے اس میں کچھ نہ کچھ کہا ضرور ہے۔ مگر اس میں جس تار کو سلجھایا جاتا ہے، دوسرا اس سے زیادہ الجھ جاتا ہے۔ صرف اسلامی عقیدہ ہی اس کو حیرت سے بچاتا ہے۔

دہریہ الجھا ہوا ہے دہر کے پھندے میں یوں
سارا الجھا سامنے ہے اور سرا ملتا نہیں
(حضور مفتی اعظم ہند)

اس کی حقیقت انسان کے دائرۂ علم میں نہیں، اس میں کریدنے سے، بحث کرنے سے حدیث پاک میں سختی سے منع فرمایا گیا ہے، اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ گزشتہ قوموں کے عقائد میں فساد اور ان کی ہلاکت اسی مسئلہ میں بحث کرنے سے واقع ہوئی ہے۔ علم کلام میں اسے ذکر کرنے کا مطلب ہے صرف اسلامی عقیدے کا بیان۔

تعریف قضا و قدر: اللہ تعالیٰ نے جو اپنے ارادہ واختیار سے حکم تام اور فیصلہ فرمایا ہے، وہ فیصلہ اور حکم تام قضا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ طے فرما دیا وہ قضا ہے اور ان امور کا تفصیلی حکم ہر شے سے متعلق کہ کب موجود ہونا ہے، کیسے موجود ہونا ہے، عوارض، صفات اور کیفیات وغیرہ امور کی تفصیل، یہ قدر ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال في شرح السنة الايمان بالقدر فرض لازم وهو أن يعتقد أن الله تعالى خالق أعمال العباد خيرها وشرها وكتبها في اللوح المحفوظ قبل أن خلقهم والكل بقضائه وقدره وإرادته ومشيئته غير أنه يرضى الإيمان والطاعة ووعد عليهما الثواب ولا يرضى الكفر والمعصية وأوعد عليهما العقاب والقدر سر من أسرار الله تعالىٰ لم يطلع عليه ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا ولا يجوز الخوض فيه والبحث عنه بطريق العقل بل يجب أن يعتقد أن الله تعالىٰ خلق الخلق فجعلهم فرقتين فرقة خلقهم للنعيم فضلا وفرقة للجحيم عدلا وسأل رجل عليًا رضي الله عنه فقال أخبرني عن القدر قال طريق مظلم لا تسلكه وأعاد عليه السؤال فقال بحر عميق لا تلجه فأعاد السؤال فقال سر الله قد خفي عليك فلا تفتشه. (مرقاۃ، جلد اول، ص:۱۴۵)

اس طویل اقتباس کو اس لیے نقل کیا ہے کیوں کہ اس میں اس عقیدے کا پورا بیان ہے۔

ترجمہ: شرح السنہ میں فرمایا ہے قدر و قضا پر ایمان فرض ہے وہ یہ کہ اعتقاد کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے، اچھے کا، برے کا، ان کے اعمال مخلوق کے پیدا کرنے سے قبل لوح محفوظ پر لکھ دیا تھا اور اب اس کے فیصلے اور معین کرنے سے واقع ہے اسی کے ارادہ سے، اسی کی مشیت سے مگر یہ کہ وہ ایمان و طاعت سے راضی ہوتا ہے، ان پر ثواب کا وعدہ دیا ہے، کفر و معصیت سے راضی نہیں، اس پر عقاب کا ہونا بتا دیا ہے۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اس کی مکمل حقیقت پر اپنے کسی مقرب فرشتہ اور نبی ورسول کو بھی واقف نہ کرایا، اس میں غور وخوض کرنا عقل کے طریق سے جائز نہیں بلکہ یہ اعتقاد لازم ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور دو فرقوں میں کر دیا۔ ایک فرقہ ان کو جنت کے لیے بطور فضل کر دیا اور دوسرا فرقہ ان کو دوزخ کے لیے بطور عدل کر دیا۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ سے ایک شخص نے تقدیر کے بارے میں پوچھا، کہا تقدیر کے بارے میں بتائیں! مولانا علی نے فرمایا، تاریک راستہ ہے چل نہ سکوگے، اس نے دوبارہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا بہت گہرا سمندر ہے، اس میں گھس نہ سکوگے۔ اس نے سہ بارہ پوچھا، آپ نے فرمایا اس کا راز پوشیدہ ہے آگے تفتیش نہ کرنا۔

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں بہت صراحت سے آیا ہے:

لا يومن عبد حتى يومن بالقدر خيره وشره وحتى يعلم ان أصابه لم يكن ليخطئه وما أخطأه لم يكن ليصيبه.

(أخرجه الترمذي، ٦/ ٣٣٠)

ترجمہ:- کوئی بندہ صاحب ایمان نہ ہو گا یہاں تک کہ تقدیر پر ایمان لے آئے، بھلی بری سب پر اور جان لے یقین کر لے کہ جو اس کو پہنچا وہ اس سے بچنے والا نہیں تھا اور جس سے بچ گیا وہ اس کو پہنچنے والا نہیں تھا۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال اور تمام موجودات اسی قضا و قدر کے مطابق ہوں گے، سرمو اس سے ہٹ نہیں سکتے ہیں۔ اس مسئلے میں جو لوگ بندوں کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں جیسے گروہِ معتزلہ تو وہ لوگ پہلے سے طے ہونے یعنی قضا و قدر کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پہلے سے کچھ طے نہیں کیا گیا ہے۔ یہ لوگ بندوں کو اپنے تمام اعمال و افعال کا خالق مانتے ہیں۔ لہٰذا ان پر لازم آتا ہے کہ بندے اپنے افعال میں خدائے تعالیٰ کے محتاج نہ ہوں اور تمام موجودات بھی خدائے تعالیٰ کی محتاج نہ ہو اور کائنات میں دو خالق ہوں، ایک خدائے تعالیٰ، دوسرے بندے۔ اور دو خالقوں کا اعتراف مجوسی عقیدے کی تصویر ہے جو دو خالقوں یعنی اہرمن اور یزداں کے قائل ہیں۔ ان لوگوں کو قدریہ کہا جاتا ہے حالاں کہ یہ لوگ قضا و قدر کی نفی کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ تمام اشیا بشمول انسان کے اپنے کسی فعل میں کسی طرح کا ارادہ اور اختیار نہیں رکھتیں اور انسان و پتھر میں کوئی فرق نہیں ہے، بندے مجبور ہوتے ہیں، اس فرقہ کو جبریہ کہتے ہیں کیوں کہ جبر کے قائل ہیں۔

اہل سنت قضا و قدر کو ثابت مانتے ہیں اور جبر کی نفی کرتے ہیں۔ جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ خالق کائنات نے پہلے سب کچھ طے کر دیا تھا تو انسان مجبور کیوں نہیں، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ قضا و قدر کا اثبات اور جبر محض کی نفی قرآن و حدیث کی ایک معتد بہ حصہ سے ثابت ہے، لہٰذا اہل دین کو اس کا قائل ہونا پڑے گا۔ اب رہی انسان کی قضا سے مجبور ہونے کی بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضا و قدر وقوع کے اعتبار سے ہے نہ کہ حکم کے اعتبار سے، اس کو آسان انداز سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان جو کچھ کرنے والا تھا وہ لکھ دیا گیا یہ نہیں کہ لکھ دینے سے انسان کرنے پر مجبور ہوا۔

دوسرے ادیان کے صحائف میں بھی اس عقیدے پر آرا ملتی ہیں اور جدید دور کے ادیبوں، مفکروں، فلسفیوں کے بھی مختلف نظریات ہیں، مگر وہ سب دو ہی خانوں میں بٹ جاتے ہیں، کچھ انسان کو ہی کیا پوری کائنات کو خود ارادی مانتے ہیں، جن میں آج کل کے اکثر طبعی علوم کے ماہرین ہیں اور کچھ مکمل جبر کے قائل ہیں۔

مگر اہل سنت جو اسلام کی درست نمائندگی کرتے ہیں ان کا مذہب افراط و تفریط کے درمیان ہے۔

یہ معلوم ہے کہ انبیائے کرام کی تعلیمات دورِ جاہلیت میں ذہنوں سے غائب ہو چکی تھیں، سرکار دو عالم ﷺ نے جب دین

اسلام کی تبلیغ فرمائی تو جملہ عقائد کے ساتھ قضاو قدر کا عقیدہ بھی پیش فرمایا۔ صحابۂ کرام نے اپنی نظر میں جو پیچیدگی تھی پیش فرمائی کہ پھر عمل کی کیا حاجت؟ جواب عطا ہوا:

عمل کرو، ہر ایک کو اس مقصد کی طرف راستہ دیا جائے گا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا۔ (مشکوٰۃ شریف، ج:۱، ص:۱۵۵)

صحابۂ کرام اس مبارک جواب سے مطمئن ہو گئے۔ حضرت عمر کے زمانے میں خلافتِ اسلامیہ وسیع ہوتی جارہی تھی اور مسلمانوں کے مذہب میں مختلف دینوں کے لوگ داخل ہو رہے تھے، اس وقت اس عقیدے میں مختلف آرا سامنے آنے لگیں اور جب عمر ابن عبد العزیز کے زمانے میں یعنی خلافتِ اسلامیہ کو ایک صدی پوری ہونے تک جبر و تقدیر پر کافی بحثیں ہونے لگی تھیں، اس دور میں اس مسئلہ میں کافی شدت کے ساتھ معبد الجہمی اور غیلان الدمشقی نے بحثیں کیں اور جبر کا مذہب باقاعدہ جہم بن صفوان نے اعلان کر رکھا تھا۔ حالاں کہ یہ دونوں گروہ معتزلہ میں سے ہی شمار ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں جبر و اختیار کے مسئلہ میں زبردست اختلاف تھا۔ اگرچہ ان گم راہوں کا قتل ہو گیا تھا مگر ان کے فساد کے پودے آج تک کانٹے دے رہے ہیں۔

قضاو قدر پر ایمان فرض ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔ قضاو قدر کے دائرے سے متعلق بہت کچھ تفصیل احادیث پاک میں ذکر کی گئی، یہاں ہم اس کا ماحصل ذکر کر رہے ہیں۔

- اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیر کو لوحِ محفوظ پر تخلیق سے پہلے ہی لکھ دیا تھا اور جب زمین و آسمان پیدا نہیں ہوئے تھے، اس کا عرش اعظم پانی پر تھا۔
- انسان کی تخلیق اور عالم مثال میں اس کے مستقبل کی تحریر کے کئی ایک مرحلے ہیں، شکم مادر میں ۴۰ دن تک وہ نطفہ ہو کر رہتا ہے، پھر خون بستہ ہو کر پھر مضغہ سخت گوشت ہو کر، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے تو وہ چار باتیں لکھتا ہے، عمل، اجل، رزق سعادت یا شقاوت۔ اس میں روح ڈالی جاتی ہے اور اس کا انجام اس کے مطابق ہوتا ہے۔
- ہر شخص کے لیے جنت یا جہنم میں اس کا ٹھکانہ طے کر دیا گیا ہے۔ یہ سوچ کر عمل نہ چھوڑو کہ یہ تو طے ہے، اس لیے کہ ہر ایک کو اپنی تقدیر کی توفیق ملے گی۔ عمل اور اس کا انجام اللہ تعالیٰ کے علم میں ٹھیک ٹھیک ثابت ہے، ایسا نہیں کہ پیدا ہونے کے بعد طے کیا جاتا ہو۔ اس کی تصدیق کلام پاک میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝

(الشمس، آیت:۷، ۸)

- اولاد کی پیدائش روکنے میں یہ دھیان رہے کہ کس کو کتنی اولاد ملے گی، یہ پہلے سے ہی طے ہے۔
- انسانوں کے دلوں کو خداے تعالیٰ جیسے چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے۔
- پیدا ہونے والے بچوں پر قدرت کا جبر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے ماں باپ اس کو مختلف دین کا پابند بناتے ہیں۔
- اللہ تعالیٰ ہر ایک کو کفر سے پاک پیدا فرماتا ہے۔
- بنی آدم سے عالم ارواح میں چند عہد و پیمان لیے گئے تھے، حضرت آدم کو دکھا دیا گیا ہے کہ آپ کی اولاد میں کون جنتی ہے اور کون دوزخی۔
- سرکارِ دوعالم ﷺ نے وہ غیبی نوشتہ دیکھا تھا جس میں جنتیوں اور دوزخیوں کی تفصیل اور اجمال تھا۔
- گزشتہ قوموں میں سے بہت سے لوگ مسئلۂ قضاو قدر میں عقلاً بحث کرنے کی وجہ سے گمراہ و ہلاک ہوئے۔
- اللہ تعالیٰ نے خلق کو تاریکیوں میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنا نورِ خاص تجلی فرمایا تو جس کو وہ نور ملا وہ ہدایت یافتہ ہوا۔
- اسلام کا دعویٰ کرنے کے ساتھ تقدیر کی نفی یا جبر کا اثبات کرنے والوں کو اسلام کو کوئی حصہ نصیب نہ ہو گا۔
- سرکارِ دوعالم ﷺ کے بعد کسی نہ کسی زمانے میں تقدیر کو جھٹلانے والوں کو زمین میں دھنسا کر یا مسخ کر کے عذاب دیا جائے گا۔
- تقدیر کی نفی کرنے والے مجوسیوں کی طرح ہیں، ان سے قطع تعلقات ضروری ہیں۔
- جس کی موت جہاں لکھی ہے اس کو وہاں جانے کے لیے ضرور کوئی ضرورت پیدا کر دی جاتی ہے۔
- تقدیر میں بے جا بحث کرنے والے سے قیامت میں سوال ہو گا۔
- اگر اللہ تعالیٰ ہر شے کو عذاب دے تو یہ ظلم نہ ہو گا اور سب کو جنت دے تو اس کی رحمت اس سے بھی سوا ہے۔
- عالم ارواح میں رب کی ربوبیت اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی رسالت کا عہد و پیمان لیا جا چکا ہے۔

یہ مضامین ہم نے مشکوٰۃ شریف باب القضا والقدر سے نقل کیے ہیں۔

اقسام قضا : علماے کرام نے کتاب و سنت سے استنباط کر کے اس باب میں یہ فرمایا ہے:

قضاو قدر کے چار مراحل ہیں:

۱. علم باری تعالیٰ — یہ لوح محفوظ کی اصل ہے اور بعض تفسیروں میں ام الکتاب سے یہی مراد ہے۔
۲. دوسرے لوحِ محفوظ، جس پر علم خالق کے آثار نقش ہوتے ہیں، اس میں تبدیلی ممکن ہے۔
۳. رحم مادر میں آنے کے بعد چار باتیں انسان کے لیے رزق، اجل، عمل، سعادت یا شقاوت لکھی جاتی ہیں اور اس کے کچھ آثار بعض اعضا پر ظاہر کیے جاسکتے ہیں، جیسے پیشانی، ہتھیلی وغیرہ۔
۴. جو کچھ طے کر دیا گیا ہے ان کا خاص خاص حالات میں ظہور ہوتا ہے۔ اس حالت کی قضاو قدر کو اگر خداے تعالیٰ چاہے تو اپنے لطف و علم و حکمت کے اعتبار سے پھیر دیتا ہے۔

پھر قضا کی تین قسمیں ہیں:

۱. قضاے مبرم — جس میں تبدیلی ممکن نہیں۔
۲. قضاے معلق — جو ما قبل و ما بعد کے اسباب سے مربوط ہو، اس میں تبدیلی ممکن ہے۔
۳. قضا مشابہ یا مبرم — یہ لوحِ محفوظ پر مبرم اور علم باری تعالیٰ میں معلق ہوتی ہے

المعتقد، ص:۵۳ میں کچھ اس طرح تحقیق فرمائی ہے:

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ لوحِ محفوظ کی ساخت ۵۰۰ برس ہے۔ سفید چمک دار موتی جیسی ہے، اس کے دو پلٹ ہیں یاقوت کے اور وہ دونوں پلٹ دو لوح ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر تاثیر فرماتا ہے، مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے۔ اس تفسیر میں ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

بہر حال قضاو قدر کی حقیقی مصلحت، لوحِ محفوظ، قضا کے مراحل، یہ سب غیب ہیں، عقل انسانی کے دائرے میں نہیں ہیں، لہٰذا ان امور میں کتاب و سنت کے بیان پر ہی بھروسا کرنا ہو گا۔

یہاں یہ بتانا مناسب ہو گا کہ کائنات کی ترتیب اور مقصد کے لحاظ سے فلاسفہ میں بہت اختلاف ہے۔ ان کے یہاں قضاو قدر کے معنی اصطلاحی طور سے مختلف ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ قضاو قدر کا مطلب ہے صرف کائنات کی وہ ترتیب جو علم باری تعالیٰ میں ثابت ہے۔ مگر یہ فلسفی واجب تعالیٰ کو صرف عقل اول کا خالق مانتے ہیں، لہٰذا ان کو قضاو قدر کا اعتراف فائدہ نہ دے گا اور یوں بھی کہ اقسام قضا کے قائل نہیں ہیں۔

جدید سائنس میں تقدیر کا مطلب ہے ہر ذرے میں ایک خاص فاصلہ اور ہر ذرے میں انرجی کی ایک معین مقدار۔ اس نظریہ کو نظریۂ کوانٹم Quantum کہتے ہیں۔

اس کے برعکس ایک نظریہ یہ ہے کہ ذروں کی ساخت اور انرجی کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے، اس کو نیوٹن کی جبریت کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ سائنس داں اس بات کے قائل ہیں کہ کائنات سے پہلے اس کا بلو پرنٹ تیار ہوا تھا۔

مگر یہ نظریہ اسلامی عقیدۂ قضاو قدر کا بیان نہیں ہیں جس پر ایمان کا دارومدار ہے، کیوں کہ ان میں واجب تعالیٰ کی قدرت علم اور صفت تکوین کا اعتراف نہیں ہے۔ لہٰذا جو لوگ خواہ مخواہ سائنس کے نظریات پر اسلامی عقیدوں کا لیبل لگاتے پھرتے ہیں وہ سائنس کی تقدیر کائنات کو قضاو قدر کے اسلامی عقیدے کا اعتراف نہ سمجھیں۔

یورپ سے جو فکری یلغار مسلمانوں کے ذہنوں پر ہو رہی ہے اس میں عقیدۂ قضاو قدر بھی نشانے پر رہا ہے۔ بیش تر مستشرقین اور ان کی تقلید کرنے والے نام نہاد مسلم مفکرین کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ تقدیر پر ٹیک لگانا مسلمانوں کی پستی کا خاص سبب ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تقدیر پر ایمان لانا لازم ہے وہیں اسباب کو اختیار کرنا فرض ہے۔ دین اسلام میں تقدیر پر ایمان لانا تعطل نہیں سکھاتا بلکہ وہ فطرت سے دوچار ہونے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی پستی کے اور اسباب بھی ہیں جن کو یہ اسلام دشمن ذکر نہیں کرتے۔ وہ ہیں مسلمانوں کی قدرتی دولت کی لوٹ کھسوٹ، مسلم ممالک میں غیر اسلامی اعمال و نظریات کی ترویج پر اصرار۔ اس حکمراں طبقہ کی حمایت جو مسلمانوں کی دولت کو اہل یورپ کے قدموں میں ڈال دے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دشمنوں کی چال کو سمجھیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا اس کی قدر کریں۔

.................(جاری)

پیشین گوئی

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ — ترجمہ: حافظ محمد سرور نظامی پاکستان

معروف تاجر اور صاحب خیر عالی جناب الحاج رفیق برکاتی صاحب نے یہ دستاویزی مقالہ برائے اشاعت راقم الحروف کو عطا فرمایا ہم ان کے شکریے کے ساتھ یہ گراں قدر مقالہ قسط وار اشرفیہ کے صفحات پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ مقالہ دراصل جلیل القدر ولی حضرت نعمت اللہ شاہ علیہ الرحمہ کے اشعار کی توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ یہ خدمت حافظ محمد سرور نظامی نے بڑے سلیقے سے انجام دی ہے۔ مرتب و شارح اپنے مقالے کے پیشِ لفظ میں رقم طراز ہیں:

لوح محفوظ است پیشِ اولیا　　از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

ترجمہ: لوحِ محفوظ اولیاء اللہ کے سامنے ہوتی ہے، جو کچھ وہاں پر محفوظ ہے وہ خطا سے غلطی سے پاک ہے۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کشمیری ایک عظیم اللہ والے گزرے ہیں، جفر کا علم تو حضور کا غلام تھا۔ یہ آپ کی ادنیٰ کرامت ہے کہ حضور نے آج سے آٹھ سو سال پیش تر پیش گوئی ارشاد فرمائی اور وہ حرف بہ حرف پوری ہوتی چلی آرہی ہے۔ بعض حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے تقریباً دو ہزار اشعار سپردِ قلم کیے ہیں جن میں سے راقم الحروف کے پاس دو سو اڑتالیس اشعار ہیں۔ بعض کی ردیف "مے بینم" اور بعض کی ردیف "پیدا شود" ہے اور بعض قافیہ بیانہ، میزانہ، یگانہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ آپ مختلف شہروں میں سیاحت فرماتے ہوئے کشمیر تشریف لائے اور وہیں وصال فرمایا۔ انگریزوں کے متعلق مندرجہ ذیل شعر حضور نے ارشاد فرمایا:

صد سال حکم ایشاں بر ملک ہندمیداں　　آرید اے عزیزاں، ایں نکتہ از بیانہ

تو لارڈ کرزن نے اس پیشین گوئی کو ممنوع قرار دے دیا کہ ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہماری حکومت صرف سو سال ہندوستان میں رہے۔ اشعار عام ملنے مشکل ہو گئے، لیکن محبانِ اولیا اللہ اشعار کی حفاظت کرتے رہے، قلمی بیاضوں میں، سینوں میں، ذہنوں میں کلام محفوظ چلا آیا۔

چناں چہ راقم الحروف کے ذہن میں ایک عرصہ سے خیال پیدا ہوا کہ ان اشعار کو یک جا کر کے طباعت کرائی جائے تاکہ یہ مجموعہ محفوظ ہو جائے۔

قدرتِ کردگاری بینم　　حالتِ روزگاری بینم

ترجمہ:- میں ذاتِ باری تعالیٰ کی قدرت دیکھ رہا ہوں، میں زمانہ کی حالت دیکھ رہا ہوں۔

از نجوم ایں سخن نمی گویم　　بلکہ از کردگاری بینم

ترجمہ:- میں یہ بات علمِ نجوم کے ذریعہ سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے دیکھ رہا ہوں۔

در خراسان و مصر و شام و عراق　　فتنۂ کارزار می بینم

ترجمہ:- میں خراسان اور مصر اور شام و عراق میں جنگ کا فتنہ دیکھ رہا ہوں۔

ہمہ را حال می شود دلگیر　　گر یکے در ہزار می بینم

ترجمہ:- سب کا حال برگشتہ ہو جائے گا، اگرچہ ایک کو ہزار میں میں دیکھ رہا ہوں۔

قصۂ بس غریب می شنوم　　غصۂ در دیار می بینم

ترجمہ:- میں ایک عجیب قصہ سن رہا ہوں، میں ایک شہر میں اختلال دیکھ رہا ہوں۔

غارت و قتل و لشکرِ بسیار　　از یمین و یسار می بینم

ترجمہ:- قتل و غارت اور بے شمار فوجیں دائیں بائیں میں دیکھ رہا ہوں۔

بس فرومایگان بے حاصل　　عالم اخوند کار می بینم

ترجمہ:- میں نہایت کمینے لوگوں کو حصول کے بغیر عالم اور استادانہ کام والے دیکھ رہا ہوں۔

مذہب و دیں ضعیف می یابم　　مبدعِ افتخار می بینم

ترجمہ:- میں دین و مذہب کو کمزور پا رہا ہوں، میں فخر کی بدعت دیکھ رہا ہوں۔

دوستانِ عزیز ہر قومے　　گشتہ غم خوار و خوار می بینم

ہر قوم کے عزیز دوستوں کو خوار بھی اور غم خوار بھی دیکھ رہا ہوں۔

منصب و عزل و تنگیِ عمال　　ہر یکے را دو بار می بینم

ترجمہ:- عروج و نزول اور گورنروں کا تقرر، ہر ایک کو میں دو مرتبہ دیکھ رہا ہوں

ترک و تاجیک را بہم دیگر　　خصمے و گیر دار می بینم

ترجمہ:- ترک اور تاجیک (قوم) کو ایک دوسرے کا دشمن اور پکڑ دھکڑ کرنے والا میں دیکھ رہا ہوں۔

مکر و تزویر حیلہ در ہر جا　　از صغار و کبار می بینم

ترجمہ:- مکر و فریب اور حیلہ ہر جگہ چھوٹوں اور بڑوں میں دیکھ رہا ہوں۔

بقعۂ خیر سخت گشت خراب　　جائے جمع شرار می بینم

ترجمہ:- نیکی کا مقام سخت خراب ہو گیا ہے، میں ایک جگہ چنگاریاں جمع دیکھ رہا ہوں۔

اندکے امن گر بود امروز　　در حدِ کوہسار می بینم

ترجمہ:- اگر آج تھوڑا سا امن ہے تو میں پہاڑ کی حدود میں دیکھ رہا ہوں۔

گرچہ می بینم ایں ہمہ غم نیست　　شادیِ غم گسار می بینم

ترجمہ:- اگرچہ میں یہ سب دیکھ رہا ہوں، کوئی غم نہیں ہے میں غم کھانے والے کی خوشی دیکھ رہا ہوں۔

بعد ازاں سال چند سال دگر　　عالم چوں نگار می بینم

ترجمہ:- اس سال کے بعد چند دوسرے سالوں کے بعد دنیا کو ایک تصویر خانہ کی طرح دیکھ رہا ہوں۔

بادشاہے مشام دانائی　　سرورِ باوقار می بینم

ترجمہ:- ایک بہت دانا بادشاہ کو میں باوقار سردار دیکھ رہا ہوں۔

حکم امسال صورتِ دیگر است　　نہ چوں بیدار وار می بینم

ترجمہ:- اس سال کا حکم دوسری طرح کا ہے، میں اسے جاگنے والے کی طرح نہیں دیکھ رہا ہوں۔

غین و رے سال چوں گزشت از سال　　بوالعجب کاروبار می بینم

ترجمہ:- جب سال سے "غ" اور "ر" والے سال گزر گئے تو میں عجیب کاروبار دیکھ رہا ہوں۔

گردِ آئینۂ ضمیرِ جہاں　　گرد و زنگ و غبار می بینم

ترجمہ:- دنیا کے ضمیر کے آئینہ پر گرد و زنگ اور گرد و غبار دیکھ رہا ہوں۔

ظلمتِ ظلمِ ظالمانِ دیار　　بے حد و بے شمار می بینم

ترجمہ:- شہر کے ظالموں کے ظلم کا اندھیرا میں بے حد و بے حساب دیکھ رہا ہوں۔

جنگ آشوب و فتنۂ بیدار　　در میان و کنار می بینم

ترجمہ:- پر آشوب جنگ اور بیدار فتنہ کو درمیان میں اور کنارہ تک میں دیکھ رہا ہوں۔

بندۂ خواجہ وش ہمی بینم　　خواجہ را بندہ وار می بینم

ترجمہ:- غلام کو آقا کی طرح اور آقا کو غلام کی طرح میں دیکھ رہا ہوں۔

ہر کہ ادبار بود امسال　　خاطرش زیرِ بار می بینم

ترجمہ:- چوں کہ اس سال دوست پر مصیبت ہوگی میں اس کا دل مغموم دیکھ رہا ہوں۔

سکۂ نو زنند بر رخِ زر　　درہمش کم عیار می بینم

ترجمہ:- سونے کے چہرے پر نئے سکہ کی چھاپ لگے گی اس کے درہم کو میں کھوٹا دیکھ رہا ہوں۔

ہر یک از حاکمانِ ہفت اقلیم　　دیگرے را دو چار می بینم

ترجمہ:- تمام دنیا کے حکمرانوں میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑتا ہوا میں دیکھ رہا ہوں۔

ماہ را روسیاہ می بینم　　مہر را دل فگار می بینم

ترجمہ:- میں چاند کا چہرہ سیاہ دیکھ رہا ہوں، سورج کا دل زخمی دیکھ رہا ہوں۔

تاجراں ز دور دشت بے ہمراہ　　ماندہ در رہ گزار می بینم

ترجمہ:- تاجروں کو دور جنگل میں ساتھی کے بغیر راستے میں تھکا ہوا میں دیکھ رہا ہوں۔

حال ہندو خراب می بینم　　جورِ ترک و تتار می بینم

ترجمہ:- میں ہندو قوم کا حالِ خراب دیکھ رہا ہوں۔ ترک قوم اور تاتاری قوم کا ظلم میں دیکھ رہا ہوں۔

بعض اشجارِ بوستانِ جہاں　　بے بہار و ثمار می بینم

ترجمہ:- دنیا کے باغ کے بعض درخت بہار کے بغیر اور پھل و پھول کے بغیر میں دیکھ رہا ہوں۔

ہم دلی و قناعت و کنجے　　حالیا اختیار می بینم

ترجمہ:- ایسے موقع پر ہم دلی اور قناعت کو میں اس پریشانی

کے ساتھ دوست کے وصل کی خوشی بھی دیکھ رہا ہوں۔

غم مخور زآنکہ من دریں تشویش   خرمی وصل یاری بینم

ترجمہ:-اے مخاطب! غم نہ کھا چوں کہ میں اس پریشانی کے ساتھ دوست کے وصل کی خوشی بھی دیکھ رہا ہوں۔

چوں زمستان بے چمن بگزشت   شمس راخوش بہاری بینم

ترجمہ:-جب سردی کا موسم باغ کے بغیر گزر جائے گا تو آفتاب کو اچھی بہار والا میں دیکھ رہا ہوں۔

دورِ او چوں شود تمام بکام   پسرشے یادگاری بینم

ترجمہ:-جب اس کا زمانہ گزر جائے گا تو اس کا بیٹا بطور یادگار میں دیکھ رہا ہوں۔

بندگانِ جناب حضرت او   سربسر تاج داری بینم

ترجمہ:-اس عالی جناب حضرت کے غلاموں کو میں سرتاپا صاحب تاج دیکھ رہا ہوں۔

بادشاہے تمام ہفت اقلیم   شاہِ عالی تباری بینم

ترجمہ:-تمام دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو میں بڑے بلند عروج پر دیکھ رہا ہوں۔

صورت و سیرتش چوں پیغمبر   علم و حلمش شعاری بینم

ترجمہ:-اس کی سیرت اور صورت اور علم و حلم اور سوچ و سمجھ سب پیغمبر کے مشابہ دیکھ رہا ہوں۔

یدِ بیضا کو باو تابندہ   باز باذوالفقاری بینم

ترجمہ:-اس کا سفید اور چمک دار ہاتھ میں پھر تلوار کے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔

گلشن شرع راہمی بویم   گل دیں رابہاری بینم

ترجمہ:-میں شریعت کے باغ کی خوشبو سونگھ رہا ہوں میں دین کے پھول کی بہار دیکھ رہا ہوں۔

تا چہل سال اے برادرِ من   دورِ آں شہسوار می بینم

ترجمہ:-اے میرے بھائی! اس شاہ سوار کا دورِ حکومت چالیس سال تک میں دیکھ رہا ہوں۔

عاصیاں آں امامِ معصوم   خجل و شرمساری بینم

ترجمہ:-اس پاک امام کے نافرمانوں کو نادم اور شرمندہ دیکھ رہا ہوں۔

☆☆☆☆☆

پارینہ قصہ شوئم از تازہ ہند گویم

افتاد قرن دوئم کہ افتد از زمانہ

ترجمہ:- قدیم قصہ کو میں نظر انداز کرتا ہوں، ہندوستان کے متعلق میں تازہ بیان کرتا ہوں کہ دوسرا قرن جو زمانے میں واقع ہوگا۔

صاحب قرانِ ثانی اولادِ گورگانی

شاہی کند اما شاہی چو رستمانہ

ترجمہ:-خاندانِ مغلیہ میں سے صاحب قرانِ ثانی ہند پر بادشاہی کرے گا لیکن بادشاہی دلیرانہ طور پر ہوگی۔

عیش و نشاط اکثر گرد و مکاں بخاطر

گم می کنند یکسر آں طرزِ ترکیانہ

ترجمہ:- عیش و نشاط ان کے دلوں میں گھر کر لے گا اور یک لخت اپنے ترکیانہ طریقہ کو گم کر لیں گے۔

تا مدتِ سہ صد سال در ملکِ ہند بنگال

کشمیر، شہر بھوپال گیرند تا کرانہ

ترجمہ:-ہندوستان کے ملک میں بنگال، کشمیر، شہر بھوپال کے آخر تک تین سو سال تک حکومت رہے گی۔

گیرند ملکِ ایراں بلخ و بخارا تہراں

آخر شوند پنہاں، باطن دریں جہانہ

ترجمہ:- ملک ایران، بلخ اور بخارا اور تہران پر دسترس رکھیں گے، آخرکار چھپ جائیں گے، اس جہان میں باطن ہو جائیں گے۔

تا ہفت پشتِ ایشاں در ملکِ ہند و ایراں

آخر شوند پنہاں در گوشۂ نہانہ

ترجمہ:-ہندوستان اور ایران کے ملک میں ان کی سات پشتیں حکومت کریں گی آخرکار ایک نہاں گوشہ میں چھپ جائیں گی۔

بعد از سہ صد نہ بینی تو حکم گورگانی

چوں اصحابِ کہف گردد در کہف غائبانہ

ترجمہ:-اے مخاطب! تین سو سال کے بعد سلطنت مغلیہ کی حکومت تو نہ دیکھے گا، اصحابِ کہف کی طرح غار میں غائب ہو جائیں گے۔

آں آخری زمانہ آید دریں جہانہ

شہبازِ سدرہ بینی از دستِ رائیگانہ

ترجمہ:-اس جہان میں آخری زمانہ آئے گا، سدرہ کے شہباز قضا کے ہاتھوں رائگاں ہو جائیں گے۔ ....(جاری)

بساطِ دعوت

آخری قسط

برصغیر میں صوفیہ کرام کا منہجِ دعوت

محمد اکرم ساجد، پاکستان

رنگ همه جهتی:- بندوں کے طبائع اور مزاج مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا معیارِ صداقت ہوتا ہے۔ ایک کامیاب مبلغ اور داعی کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مخاطبین میں سے ہر ایک کی طبع اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، جس کے لیے جو انداز زیادہ مناسب ہوتا ہے اسے اسی انداز سے دعوت پیش کرتا ہے۔

صوفی محمد ابراہیم قصوری، میاں شیر محمد شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

آپ تبلیغ مختلف صورتوں میں فرمایا کرتے تھے۔ عوام کو موٹی موٹی مثالیں دے کر سمجھایا کرتے اور خواص کو ان کی سمجھ کے مطابق بیان کرتے۔ علما کو قرآن اور حدیث سے تبلیغ فرماتے اور غیر مسلموں کو ان کے بزرگوں کے حالات سنا کر تبلیغ کرتے۔ عوام کے روبرو بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا شعر پڑھ کر سنایا کرتے۔

اٹھ فریدا کوک توں جیوں کر راکھا جوار

جب تک ٹانڈا نہ گرے تب تک حال پکار

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے خداوند کریم کو یاد کر۔ جس وقت کوئی خاص لوگ حاضر ہوتے جو علم دنیوی سے واقف ہوتے، آپ ان سے دریافت فرماتے کہ تم علم طبیعیات پڑھے ہوئے ہو؟ وہ عرض کرتے کہ حضور پڑھے ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے تمہارا امتحان تو بڑا کامل ہوگا کیوں کہ سب چیزوں کی تاثیرات سے آپ واقف ہیں، یہ تاثیر ان میں کس چیز نے پیدا کی؟ اگر کوئی علما کی جماعت میں سے آتے تو آپ قرآن مجید کی آیتیں، جو ذکر کے متعلق ہوتیں، انھیں دکھاتے اور فرماتے: فقیر اور صوفی لوگ کیا بتلائیں گے، قرآن کریم میں جابجا ذکر کی خداوند کریم نے آیتیں نازل فرمائی ہیں اور آیات پڑھ پڑھ کر سناتے اور توجہ ذکر کی طرف دلاتے اور فرماتے: علما اور فقرا کو چاہیے کہ حق بات کہنے سے خوف نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے: حق کہنے سے تیری اجل قریب نہ ہو جائے گی اور تیری روزہ بند نہ ہوگی۔ بعض علما کو سختی سے سمجھاتے اور فرماتے: تم نے تو دین کو کھیل بنا چھوڑا ہے۔ جس وقت کوئی خاص الخاص شخص آتا تو ان کو خاص طرح کی توجہ سے سمجھاتے۔"[1]

سید شریف احمد شرافت نوشاہی، حضرت میاں صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک محفل کا آنکھوں دیکھا حال یوں بیان کرتے ہیں:

"ایک شخص جو کسی گاؤں کا امام مسجد تھا، نصیحت کا خواستگار ہوا۔ آپ نے فرمایا: نماز کا ترجمہ یاد کرو اور سوچ کر نماز پڑھا کرو اور فقہ کی کتابیں "روشن دل، نجات المومنین اور پکی روٹی" وغیرہ کے مسائل کو ازبر کرو۔ پھر اس سے پوچھا: تمہارے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا: والد فوت ہو چکا ہے اور والدہ زندہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ادب سے کہو کہ والدہ زندہ ہیں۔ تم والدہ کی خدمت دل سے کرو اور ان کی تعظیم کا خیال رکھا کرو۔ تمہاری عبادت گھر ہی میں ہے، تمھیں کسی دوسرے کے پاس جانے کی کیا حاجت ہے۔"[2]

مولانا فخر الدین اپنے چند درویشوں کے ہم راہ ایک تالاب کے کنارے سے گزرے اور دیکھا کہ چند ہندو وہاں غسل کرتے ہیں اور برہمنوں کو کچھ نقدی دیتے ہیں، لیکن ایک بوڑھا برہمن نہانے کا سامان لے کر مایوسانہ صورت بنائے بیٹھا تھا۔ مولانا نے اپنے درویشوں سے فرمایا: اگر آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں تو میں اس برہمن کو خوش کر دوں۔ درویشوں نے کہا کہ ہماری کیا مجال کہ ہم آپ کے کام پر ناخوش ہوں۔ پس مولانا اپنا لباس ہندوؤں کی طرح بنا کر اس کے پاس گئے اور کہا: میں نہانے آیا ہوں۔ وہ برہمن خوش ہو گیا اور اس نے اپنے طریقے کے مطابق مولانا کو غسل کرایا۔ مولانا نے اسے پانچ روپے دیے اور بڑی معذرت کی کہ فی الحال اس قلیل معاوضے ہی کو کافی سمجھو۔ برہمن بڑا خوش ہوا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ غسل کی اتنی بڑی اجرت تو مجھے آج تک کبھی نہیں ملی تھی جتنی اس شخص نے دی ہے۔ مولانا نے اپنے مکان پر آکر تجدیدِ غسل کر کے اپنا پاکیزہ لباس پہنا۔ دوسرے دن پھر اسی برہمن کے پاس جا کر غسل کیا اور اس کو دس روپے دیے۔ تیسرے دن پندرہ روپے دے کر غسل کیا۔ جب واپس آنے لگے تو برہمن بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

مجھے دینِ محمدی سکھاؤ، پس مولانا صاحب نے اس برہمن اور اس کے متعلقین کو مسلمان کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنالیا۔[۳]

دیکھا آپ نے کہ خواجہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے موقع کی مناسبت سے ایسا منہج دعوت اختیار کیا کہ ایک برہمن کے لیے بھی اسلام قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔

خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کی اصلاح و تربیت میں خاص دل چسپی لیتے تھے۔ "تکملہ" میں لکھا ہے کہ وہ اپنے خلفا کو تعلیم و تربیت کے بعد کامل کر دیتے تھے۔ وہ ہر مرید کی استعداد اور صلاحیت کا علاحدہ علاحدہ جائزہ لیتے تھے اور پھر تربیت کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ وہ بالکل ایک طبیب کی مانند تھے جو مریض کے مزاج اور مرض کی نوعیت کو دیکھ کر دوائیں دیتا اور علاج کرتا ہے۔ ایک مرتبہ حکیم مولوی محمد عمر سے فرمانے لگے: "مہار دار الشفا ہے، یہاں حکیم موجود ہے۔ حکیم نے فوراً جواب دیا:

"شفا بخش امراض ظاہر و باطنی ذات شریف حضور است کہ ہر آئندہ راز زیارت حضور شفا صوری و معنوی حاصل می شود۔"[۴]

حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں ہر قسم کے لوگ آیا کرتے تھے۔ فقیر، امیر، گدا، نواب، سالک، قلندر، عالم اور ان پڑھ بھی اور اس کریم کے دروازے سے ہر شخص اپنی استعداد اور ظرف کے مطابق بہرہ ور ہوا کرتا۔ ہر شخص کی اصلاح و تربیت کے لیے ایسا انداز اختیار فرماتے جو اس کی نفسیات کے مطابق ہوتا۔[۵]

ملک شیر خان مرحوم، بندیال کے رئیس اعظم تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نیاز مند بھی۔ رؤسا کی طرح یہ بھی کتوں کے بہت شوقین تھے۔ اعلیٰ نسل کے کتے پال رکھے تھے اور سفر میں بھی انھیں اپنے ساتھ رکھا کرتے۔ ایک مرتبہ اپنے مرشد کی زیارت کرنے سیال شریف حاضر ہوئے۔ کتوں کو حویلی میں باندھ دیا، شام کی اذان ہو گئی تھی، اس لیے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں چلے آئے۔ ایک پستہ کتا چپکے چپکے پیچھے چلا آیا۔ حضرت فرض با جماعت ادا کر کے مسجد سے اپنی عبادت گاہ کی طرف جانے لگے۔ ایک خادم ہم راہ تھا، جب باہر نکلے اور پستہ کتا بیٹھے ہوئے دیکھا تو حضرت نے اپنے خادم کو حکم دیا: ملک شیر خان آیا ہے، یہ کتا اسی کا معلوم ہوتا ہے۔ تم یہاں ٹھہرو، اس کی حفاظت کرو مبادا عبد اللہ سبز پوش اسے مارے، ملک کو اپنے کتے بڑے پیارے ہیں۔ (عبد اللہ ایک درویش تھا جو آستانہ عالیہ پر کسی کو آنے نہیں دیتا تھا، جو کتا اس کے ہتھے چڑھ جاتا اس کی خوب پٹائی کرتا)۔

ملک شیر خان کہتا ہے کہ میں نے حضرت کا یہ ارشاد سنا تو مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ دوڑ کر آیا اور اس درویش سے کہا کہ تم حضرت کے ساتھ جاؤ میں اب اس کی رکھوالی کر لوں گا۔ ملک صاحب لوگوں کو اپنے مرشد کا یہ واقعہ سناتے اور آب دیدہ ہو جاتے۔ حضرت نے مجھے ڈانٹا نہیں، ناراضی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ میرے پاس خاطر کے لیے اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ اس کے بعد انھیں کتوں سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ انھیں رکھنا ہی چھوڑ دیا۔[۶]

تحصیل خوشاب میں "انگہ" ایک مشہور قصبہ ہے۔ قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ چکی تھی۔ آپ کے تبحر علمی کے باعث علمائے عصر آپ کو استاذِ کُل کہا کرتے تھے۔ ان کے فضل و کمال کی بلندی کا اندازہ کرنے کے لیے صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہو گا کہ حضرت قبلہ سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت کئی سال تک "انگہ" میں قیام پزیر رہے اور آپ کے چشمۂ علوم و معارف سے سیر اب ہوتے رہے۔ قاضی صاحب کو پتہ چلا کہ ان ہی کے ضلع شاہ پور میں سیال کے مقام پر ایک فقیر (خواجہ شمس العارفین) ظاہر ہوا ہے جو سماع سنتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید بنتے جا رہے ہیں۔ قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق سماع شریعت میں ناجائز تھا۔ ان کی ایمانی غیرت یہ گوارا نہ کر سکی کہ ان کے علاقے میں خلافِ شریعت فعل کو اتنا فروغ نصیب ہو۔ چناں چہ گدھے پر اپنی کتابوں کے انبار لاد کر مناظرہ کرنے کے ارادے سے سیال شریف روانہ ہوئے۔ وہاں اپنے معتقدین اور ساز و سامان کے ساتھ ایسے وقت پہنچے جب حضرت شمس العارفین اپنی مجلس آراستہ کیے ہوئے معرفت کے موتی لٹا رہے تھے۔ قاضی صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، آدابِ مجلس کو یک سر نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔ حضرت نے قاضی صاحب کی بات سن کر بڑے تحمل سے فرمایا: قاضی صاحب میری گردن، بلکہ میری سات پشتوں کی گردن شریعت کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے خلافِ شریعت کام کرنے سے بچائے۔ یہ جواب سننے کے بعد قاضی صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے، پھر وضو کرنے کے

اسلامیات

لیے شرقی کنویں پر تشریف لے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے قوالوں کو اشارہ کیا تو انھوں نے پنجابی کے ان بولوں سے محفل سماع کا آغاز کیا۔

جھنگ کنوں دل تنگ پیو سے پچھاں ہزاراں دیاں داتاں
میرے ماہی دیاں مٹھیاں باتاں جیویں کھنڈ شکر نباتاں

قاضی صاحب سماع کی آواز سن کر غصے سے دوڑتے ہوئے آئے۔ بار بار کہہ رہے تھے پھر بھی آپ باز نہ آئے۔ جب قاضی صاحب قریب پہنچے تو حضرت نے ایک بار نگاہ بھر کر دیکھا۔ ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور غش کھا کر گرے، ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور قوال برابر ان بولوں کو دہرا دہرا کر قاضی صاحب کی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑی دستار باندھا کرتے تھے جو ان کے علم و فضل کی گواہی دیتی تھی۔ اس مستی و شوق میں اپنی دستار سر سے اتاری اور قوالوں کو جا کر دی۔ اس محفل پر کیف و مستی کا جو رنگ چڑھا ہو گا اس کی ماہیت کیوں کر بیان کی جا سکتی ہے۔ قوال جب اس بول کی تکرار کرتے تو آپ تڑپتے اور یہ نعرہ لگاتے: "حق او یارو! حق او یارو!"

حضرت ثانی غریب نواز اس محفل پاک میں حاضر تھے۔ جب قاضی صاحب نے اپنی دستار قوالوں کو جا کر نذر کی تو آپ چپکے سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ گھر میں سونے چاندی کے جتنے زیورات تھے۔ سب اٹھا کر لائے اور قوالوں کو پیش کر کے ان کے عوض قاضی صاحب کی دستار ان سے لے لی اور فرمایا: یہ عالم کی دستار ہے اور اسی کے سر پر زیب دیتی ہے۔ پھر قاضی صاحب کے سر پر وہ دستار باندھ دی۔ اعلیٰ حضرت غریب نواز اپنے فرزند دل بند کی اس ادا شناسی پر بڑے مسرور ہوئے اور آپ کو دعاؤں سے نوازا۔ مردانِ خدا مناظرہ کے اکھاڑوں کو یوں اپنی چشم کرم سے عشق و محبت کے خیابان میں تبدیل کر دیتے ہیں۔[۷]

نام ور بزرگ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۶ھ) کے احوال میں مذکور ہے کہ ایک عورت حاضر ہوئی۔ عرض کیا: میرا لڑکا اول تو پابندی سے کام پر جاتا نہیں، جب جاتا ہے تو کما کر اپنے پاس رکھتا ہے، مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیتا، کتنا سمجھایا کہا نہیں مانتا، ایسا تعویذ دے دو جو میرا کہنا ماننے لگے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا: پانچوں وقت نماز پڑھتی ہو، نہیں حضرت صاحب! کبھی کبھی پڑھتی ہوں۔ اس عورت نے جواب دیا۔ حضرت نے فرمایا: اب شکایت کیسی، تم کبھی کبھی اللہ کا کہنا مانتی ہو، تمہارا بیٹا بھی کبھی کبھی تمہارا کہا مان لیتا ہے۔ پابندی سے نماز پڑھو تو وہ تمہارا کہنا مان لے گا۔

ایک اور عورت آئی، اس نے کہا: میرا لڑکا جوان ہو گیا ہے، ذرا ذرا سی بات پر محلے کے لڑکوں سے لڑ پڑتا ہے، ذرا ہاتھ پیروں میں جان ہے، اپنے ساتھیوں میں سے جس کو چاہتا ہے مارتا ہے، پھر ان کے ماں باپ شکایت کرتے ہیں اور بات بڑھتی ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: تمہارے پڑوسی کیسے ہیں؟ عورت نے کہا: اجی وہ بھی بڑے خراب ہیں، مگر مجھ سے کوئی منہ نہیں لگتا، ایک کی چار سناتی ہوں، سب کو سیدھا کر دیا۔ حضرت نے فرمایا: بیٹے کا تو کوئی قصور نظر نہیں آتا۔ جیسا تم نے مدرسہ کھولا ہے ویسا ہی شاگرد تیار ہوا۔ تم اپنا رویہ ٹھیک کرو تو بیٹا بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ عورت نے بڑی لجاجت کی، میرے بیٹے کے لیے دعا کریں! تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہم تو تمہارے لیے دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔[۸]

نام ور محقق سید محمد فاروق القادری جنیدِ وقت حضرت حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۳۰۸ھ) کے احوال میں لکھتے ہیں:

"فقیر عمر الدین زنگیجہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ صاحب امروٹی کی زبانی بیان کرتا ہے کہ ایک ہندو حضرت والا کی خدمت میں بطور مہمان مقیم ہوا۔ آپ نے اسے کھانے پینے کے لیے جو برتن دلوائے، ایک دن وہ برتن چوری کر کے غائب ہو گیا۔ فقرا کو اطلاع ہوئی تو اس کی تلاش میں نکل پڑے اور اسے "ڈھرکی" سے چوری شدہ سامان سمیت پکڑ لائے اور اسے مسجد کے دروازے کے نزدیک باندھ کر بیٹھا دیا۔ حضرت والا اشراق پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے اور ہندو کو بندھا ہوا دیکھا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اسے کیوں باندھا گیا ہے؟ فقرا نے عرض کیا: حضور یہ شخص لنگر کے برتن چرا کر بھاگ رہا تھا، فقرا اسے ڈھرکی سے پکڑ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ اس سے اس کے باپ کا سامان چھین لیتے، اسے باندھ کر نہ لاتے۔ پھر آپ نے پوچھا: کون کون سے فقرا اسے پکڑ کر لائے ہیں؟ حاضرین نے ان کے نام بتائے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں جلدی بلاؤ۔ حاضرین نے عرض کیا: حضور! ابھی ابھی انھیں خدمتِ عالی میں پیش کرتے ہیں۔ اتنی دیر میں اس ہندو نے عرض کیا: حضور میں مسلمان ہوتا ہوں، یہ سنتے ہی

اسے باندھ کر لانے والوں پر حضرت کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ آپ کے چہرے سے خوشی و مسرت ٹپکنے لگی۔ ادھر فوراً مولود خوانی شروع ہو گئی، حجام کو بلایا گیا اور ہندو کا ختنہ ہوا۔"(۹)

ڈاکٹر عبد الغنی امیر حزب اللہ سید محمد فضل شاہ ابن پیر سید غلام حیدر علی شاہ جلال پوری کا انداز تربیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ نے اپنے نیاز مندوں کے دلوں میں محبت الٰہی کا جذبہ پیدا کر کے انھیں ان راہوں پر ڈال دیا جن کی وہ فطرتاً اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ جو کاروبار کی طرف مائل تھے ان کے ذہن کو آپ کی توجہات سے ایسی جلا نصیب ہوئی کہ ان کا کاروبار خوب چمکا۔ جو علم کی طرف میلان رکھتے تھے انھیں علمی لحاظ سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ جن کے دلوں میں جرأت و بے باکی کا مادہ پایا جاتا تھا وہ افواج میں شامل ہوئے تو شجاعت اور مردانگی کے لحاظ سے نام ور ہوئے اور جن کے قلوب فقر کی چاشنی سے پرورش پانے والے تھے انھیں حسب استعداد روحانی غذا عطا فرمائی۔ الغرض حضرت نے اپنے نیاز مندوں کو زندگی کے ہر میدان میں ان کی افتادِ طبع کے مطابق پستی سے بلندی پر پہنچایا، ادنیٰ سے اعلیٰ بنا ڈالا۔ یہ روحانیت کا کمال ہوتا ہے کہ ناقص کامل بن جاتا ہے، خاک اکسیر کا درجہ حاصل کر لیتی ہے، پرکاہ سے سنبل و ریحان کی خوشبو آتی ہے، ذرے لعل و گہر کا مقام حاصل کر لیتے ہیں۔"(۱۰)

دعوت بذریعہ کرامات:- اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور عقلاً جائز اور نقلاً ثابت ہے۔ عقلی جواز کے لیے یہی کافی ہے کہ کرامت ممکنات میں سے ایک ممکن شے ہے، محال نہیں اور ہر ممکن خدا کی قدرت کے تحت ظاہر ہو سکتا ہے، جیسے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی اہل سنت کے مشائخ، عرفا، متکلمین، اہل اصول، فقہا اور محدثین سب کا مذہب ہے۔ اس پر مشرق و مغرب، عرب و عجم میں پھیلی ہوئی ان کی تصانیف شاہد ہیں۔ پھر اہل سنت کے جمہور ائمہ محققین کا صحیح و مختار مذہب یہ ہے کہ جو کام بھی کسی نبی کے ہاتھ بطور معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے وہ ولی کے ذریعہ بطور کرامت صادر ہو سکتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ معجزہ کے ساتھ نبوت کا دعویٰ اور کفار کو مقابلہ کا چیلنج ہوتا ہے اور کرامت کے ساتھ یہ نہیں ہوتا۔ اس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ولی پر قرآن جیسی کتاب بھی آسکتی ہے۔ اس لیے کہ قرآن کے ساتھ نبوت کا دعویٰ لازم ہے اور ولی کے ہاتھ پر جو بھی خوارق عادت خدا کی طرف سے ظاہر ہو گا، اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ اس فرق کی وجہ سے کرامت اور معجزہ کے درمیان التباس اور اشتباہ نہ ہو سکے گا، اس لیے کہ معجزہ کے ساتھ چیلنج ہوتا ہے اور نبی اس کا اظہار کرتا ہے جب کہ ولی اپنی کرامت کو چھپاتا اور پوشیدہ رکھتا ہے۔ اظہار اس وقت کرتا ہے جب ضرورت ہو یا اسے اس کی اجازت ملی ہو یا غلبۂ حال طاری ہو جس میں وہ بے قابو ہو یا کسی مرید کے یقین کو تقویت دینا مقصود ہو، ایسے مواقع پر اولیاے کرام علیہم الرحمہ سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسے:

- ❋ اولیاء اللہ میں سے بعض نے فضا میں ہاتھ اٹھایا جس میں شہد آگیا جو انھوں نے ایک مرید کو کھلایا۔
- ❋ ایک شیخ کامل نے ہزاروں کلومیٹر کے فاصلہ پر اپنے مرید کو کعبۃ اللہ کی زیارت کرادی۔
- ❋ ایک عارفِ حق نے منکر کرامت کو کعبہ کا طواف کرتے دکھایا۔
- ❋ اولیاے کاملین کے ایک گروہ کے گرد خانۂ کعبہ کو طواف کرتے ہوئے معتبر مشائخ نے خود دیکھا ہے۔ ان دیکھنے والوں میں سے بعض ثقہ، متقی، بزرگ علما کی زیارت خود میں نے بھی کی ہے۔(۱۱)

صوفیاے کرام کے منہج دعوت کا جائزہ لیتے وقت یہ بات بھی نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ ان میں سے بعض نے بعض اوقات دعوت دین اور اصلاح احوال کا فریضہ بطور کرامات بھی سر انجام دیا۔ بطور استشہاد چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

❋ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ اثناے سفر ایک مقام پر پہنچے، یہ آتش پرستوں کی بستی تھی، وہاں آتش کدہ تھا جس میں روزانہ کثرت سے لکڑیاں جلتی تھیں، اس آتش کدے کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے آتش پرستوں سے پوچھا: اس آگ سے کیا فائدہ؟ تم لوگ خدا کی عبادت کیوں نہیں کرتے، جس نے اس آگ کو پیدا کیا ہے؟ انھوں نے کہا، ہمارے مذہب میں آگ کو دیوتا مانا گیا ہے، ہم اس کا احترام کرتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم اپنے ہاتھ آگ میں ڈال سکتے ہو؟ انھوں نے کہا: آگ کا کام جلانا ہے، کس کی مجال ہے جو اس کے قریب بھی جائے۔ شیخ نے ایک بچے کو جو کسی آتش پرست کی گود میں تھا، لے لیا اور بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ. قُلنَا یَا نَارُ کُونِی بَردًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبرَاھِیم. (الانبیاء:۶۹) پڑھتے ہوئے آگ میں داخل ہو گئے اور چار گھنٹے کے بعد واپس آئے، نہ آپ کے خرقہ کو آگ لگی اور نہ اس بچے کو آگ

سے کوئی آنچ آئی۔ یہ منظر دیکھ کر تمام آتش پرست آپ کے قدموں پر گرے اور اسلام قبول کر لیا، وہ بچہ اور اس کا باپ منصب ولایت پر فائز ہوئے۔(۱۲)

❋ خواجہ فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں لکھا ہے کہ جب آپ اورنگ آباد میں تشریف رکھتے تھے تو ایک شخص خون کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو پناہ دیجیے، چھپا لیجیے۔ حضرت نے فرمایا: اس مکان میں جو گھاس پڑی ہے اس کے اندر چھپ جا۔ تھوڑی دیر میں اس کے مدعی بھی آ پہنچے اور حضرت سے عرض کیا کہ ہمارا ملزم آپ کے ہاں آیا ہے، اس کو عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: فقیر کا گھر موجود ہے تم تلاش کر لو۔ ان لوگوں کو اتنی جرأت نہ ہوئی جو آپ کے مکان کی تلاشی لیتے، واپس چلے گئے مگر اس شخص کی جستجو میں رہے کہ جس وقت مل جائے انتقام لیں گے۔ اس کے بعد حضرت مولانا صاحب نے جو سراسر خلق مجسم تھے، اس خونی سے ارشاد فرمایا کہ میاں! تیری حفاظت میرے ذمہ اس شرط سے ہے کہ جو کچھ میں بتاؤں اس پر عمل کرو ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اس نے کہا کہ حضور کچھ ارشاد ہو، میں دل و جان سے اس پر عمل کروں گا۔ حضرت نے اس کو نماز پڑھنے کے لیے فرمایا اور ایک حجرہ اس کو عنایت کر دیا۔ خونی یادِ الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ اس کے چند روز کے بعد جو حضرت اس کے پاس تشریف فرما ہوئے تو ملاحظہ فرمایا کہ اس کا حال بالکل متغیر ہے اور وہ مجذوب ہو چلا ہے۔ اس نے حضرت کو دیکھ کر قدموں پر سر رکھ دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ فرصت کے وقت تھوڑا دیر باہر آ کر فقیر کے پاس بیٹھا کرو۔ اس نے ایسا ہی کرنا شروع کیا۔ چند روز میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ جو بات زبان سے کہتا وہی ہو جاتی اور جس پر نظر ڈالتا اس کی حالت متغیر کر ڈالتا اور اس کو اپنا بنا لیتا۔ اتفاق سے انھیں دنوں میں اس کے مدعیوں کو پختہ طور پر معلوم ہوا کہ وہ شخص حضرت کی خانقاہ میں موجود ہے، چناں چہ وہ بقصد گرفتاری پھر اورنگ آباد پہنچے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خونی سے فرمایا کہ جاؤ اپنے مدعیوں سے معافی چاہو۔ خونی فوراً بے خوف و خطر اپنے مدعیوں کے پاس چلا گیا۔ مدعیوں نے دیکھتے ہی دور سے ہتھیار سنبھالے تاکہ انتقام لیں، مگر جب قریب ہوئے اور آنکھیں چار ہوئیں تو سب قدموں پر گر پڑے اور عجب حالتِ وارفتہ سب کی ہو گئی۔ انھوں نے نہایت ادب سے اپنے پاس آنے کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا کہ مجھے حضور مولانا صاحب نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے بخوشی معافی دے دی اور حضرت کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر قدموں پر گر پڑے اور ارادت سے مشرف ہوئے۔(۱۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ برصغیر کے صوفیۂ کرام رحمہم اللہ نے اپنے حسن اخلاق، عفو و درگزر، شفقت و ترحم، ہمدردی و خیر خواہی، مثالی کردار، کرامات اور دیگر اوصافِ حمیدہ کے ذریعے یہاں کے باسیوں کو خوب متاثر کیا۔ خلوصِ نیت کے ان پیکروں اور عملی کردار کے عظیم میناروں کی دعوت یوں تیزی سے پھیلی کہ برصغیر کا چپہ چپہ نور اسلام کی تابانیوں سے منور ہو گیا۔ بے عمل مسلمانوں کی اصلاح ہوئی اور یوں ایک مثالی معاشرہ کا قیام عمل میں آیا۔

— حوالہ جات —

۱. خزینۂ معرفت از: صوفی محمد یٰسین قصوری، ص: ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۱۹۸۲ء - پروگیر سیو نکس، لاہور۔
۲. کلمات قدسیہ از: سید شریف احمد شرافت نوشاہی، ص: ۱۱ - ۱۳۹۲ھ، ادارہ معارف نوشاہیہ اعظمیہ۔
۳. مرآت العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس العارفین) از: سید محمد سعید۔ اردو ترجمہ بنام پیر گوہر از: صاحب زادہ غلام نظام الدین مرولوی، ص: ۱۳۴ - ۱۴۰۹ھ، المعارف لاہور۔
۴. تاریخ مشائخ چشت، ص: ۵۴۴ -
۵. مقالات پیر محمد کرم شاہ، مرتب: پروفیسر حافظ احمد بخش، ص: ۴۱۹ - ۴۲۰ - جنوری ۱۹۹۰ء، اشاعت اول، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔
۶. ایضاً، ص: ۴۲۲ - ۴۲۳ -
۷. ایضاً، ص: ۱۰۵ - ۱۰۶ -
۸. انوار مظہریہ، از: باری محمد یونس مظہری، ص: ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۱۴۲۲ھ، اشاعت اول، ادارہ مسعودیہ کراچی۔
۹. جام عرفان، از: سید محمد فاروق قادری، ص: ۱۲۶ - فرید بک اسٹال لاہور
۱۰. امیر حزب اللہ، از: ڈاکٹر عبد الغنی، ص: ۵۸۲ - ۵۸۳ - شوال ۱۳۸۴ھ، ادارہ حزب اللہ جلال پور شریف۔
۱۱. الروض الریاحین فی حکایات الصالحین، از: عبد اللہ بن اسعد یافعی، اردو ترجمہ بنام بزم اولیا، مترجم: مولانا بدر القادری، : ۷۵ - ۷۶ - دسمبر ۲۰۰۰ء، اشاعت دوم، رضا پبلی کیشنز لاہور۔
۱۲. تذکرہ صوفیاے بلوچستان از: ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر، ص: ۲۳ - جون ۱۹۷۶ء اشاعت اول، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔
۱۳. رقعات مرشدی (مکتوبات مولانا فخر جہاں دہلوی) از: شاہ محمد عبد الصمد فخری، اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، ص: ۳۷ - ۳۸ - ۲۰۰۰ء، مکتبہ زاویہ، لاہور۔

رمضان کی آمد مرحبا

محمد طفیل احمد مصباحی

یہ لیجیے رمضان کا مبارک مہینہ عالم اسلام کی دہلیز پر پھر دستک دے رہا ہے۔ سال میں صرف ایک بار آنے والا یہ مہمان اپنے ساتھ ڈھیر ساری سوغات اور تحائف لے کر آتا ہے اور اپنے دامن کرم میں ہم گنہ گاروں کے لیے رحمت و مغفرت کا سامان لے کر آتا ہے۔ یہ مہمان تنہا نہیں آتا بلکہ اپنے ساتھ فرشتوں کی نوری جماعت بھی لے کر آتا ہے۔ اللہ کے یہ مقدس فرشتے ماہِ رمضان کا شان دار استقبال کرنے والوں کے حق میں دعا و استغفار کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا بے پناہ فضل و احسان ہے امت محمدیہ پر کہ اس نے رمضان المبارک جیسا فضیلت و برکت والا مہینہ عطا فرمایا۔ حضور سید عالم ﷺ نے رمضان المبارک کو "سید الشھور" یعنی تمام اسلامی مہینوں کا سردار، رحمت و مغفرت اور جہنم سے آزادی کا پروانہ دینے والا مہینہ قرار دیا۔ یہ وہ مبارک و مسعود مہینہ ہے جس میں رحمتِ الٰہی کی بارشیں جھما جھم برستی ہیں اور ان کی برکتوں سے دلوں کو تقویٰ، نگاہوں کو حیا اور خیالوں کو پاکیزگی نصیب ہوتی ہے۔

رمضان کے آتے ہی آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں (یعنی بندوں کے اعمالِ صالحہ مقبول ہوتے ہیں اور رحمتِ الٰہی کا مسلسل نزول ہوتا ہے) جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطان کو زنجیروں میں قید کر دیا جاتا ہے۔ اس مہینہ میں انسان جو بھی گناہ کرتا ہے، وہ اپنے نفس امارہ کی شرارتوں کی وجہ سے کرتا ہے نہ کہ شیطان کے بہکانے سے۔

خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو عبادت الٰہی میں مشغول ہو کر اس ماہِ مبارک سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور آخرت کا توشہ جمع کرتے ہیں اور کم نصیب ہیں وہ لوگ جو سستی اور غفلت کے باعث روزہ جیسی عبادت سے محروم رہتے ہیں۔

حضور سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اسی غفلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمائی ہے:

"مسلمان ماہِ رمضان کو غنیمت سمجھیں، ہر رات کی قدر کریں، بلکہ اس کی ہر ساعت، ہر گھڑی کو نعمت الٰہی تصور کریں اور ہر وقت کار خیر میں کمر بستہ رہیں اور بالخصوص اس عزت والی رات (شب قدر) کی قدر کریں جو ایک ہزار دنوں اور راتوں سے افضل ہے۔" (معارف حدیث، ص:۶۵)

قرآن کریم میں جہاں روزے کی فرضیت کا ذکر ہے وہیں یہ بھی ذکر ہے کہ روزہ ایک قدیم عبادت ہے۔ تمام شریعتوں میں روزہ فرض تھا اگرچہ اس کے ایام اور احکام جداگانہ تھے۔ روزہ، تقویٰ و طہارت، تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کا بہترین ذریعہ ہے۔ بندۂ مومن روزہ جیسی عبادت کے ذریعہ زہد و تقویٰ اور طہارتِ نفس کے بلند ترین مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ ایمانِ کامل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک بندۂ مومن زیادہ سے زیادہ عبادت کر کے تقویٰ اور قربِ الٰہی حاصل کرے۔

احادیث طیبہ میں رمضان المبارک اور روزے کی بے شمار فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ چند احادیث بطور مثال پیش کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کی توفیق دے۔

بخاری و مسلم کی یہ متفق علیہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه ومن قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه.

ترجمہ: یعنی جو ایمان و اخلاص سے رمضان کے روزے رکھے اور اس کی راتوں میں قیام کرے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

رمضان کی رات میں قیام کرنے سے مراد نمازِ تراویح کا ادا کرنا ہے۔ لہٰذا جو لوگ ماہِ رمضان میں دن کو روزے رکھیں اور رات تراویح، نوافل اور ذکر و اذکار میں گزاریں تو ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت کو

ماہِ رمضان میں پانچ چیزیں خاص طور سے عنایت کی گئی ہیں: ❶ - روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ❷ - ان کے لیے دریا کی مچھلیاں دعائے مغفرت کرتی ہیں اور یہ سلسلہ افطار تک جاری رہتا ہے۔ ❸ - اللہ تعالیٰ ہر روز جنت کو آراستہ فرماتا ہے اور کہتا ہے، قریب ہے کہ میرے نیک بندے اپنے اوپر سے دنیا کا بوجھ اتار کر تیری جانب آئیں۔ ❹ - سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔ ❺ - آخری شب میں ان کے لیے مغفرت کی جاتی ہے۔

صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہے؟

فرمایا: نہیں، بلکہ مزدور کا کام ختم ہوتے ہی مزدوری ادا کر دی جاتی ہے۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے ستر سال کی مسافت تک دور کر دیتا ہے۔ (مسلم شریف، ج:۱، ص:۳۶۴)

روزہ اور شفاعت:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ روزے بندوں کی شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا، اے رب! میں نے اسے دن میں کھانے پینے اور شہوت سے روکا، اس کے بارے میں میری شفاعت قبول کر۔ بارگاہِ الٰہی میں عرض کے بعد روزے کی شفاعت قبول ہوگی۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

غرض کہ رمضان المبارک کا مہینہ اپنے دامن میں رحمت و مغفرت اور برکات و حسنات کی بے شمار سوغات لے کر آتا ہے اور روزہ دار ان قیمتی سوغات سے جہاں دنیوی فلاح و بہبود سے ہم کنار ہوتا ہے وہیں اخروی سعادت کی لازوال نعمتوں سے بھی مالا مال ہوتا ہے۔

روزہ نہ رکھنا ہلاکت اور محرومی کا سبب ہے:

رحمت و برکت کے اس موسم بہاراں سے فائدہ نہ اٹھانا بڑی محرومی کی بات ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

فان الشقی من حرم فیه رحمة الله عزوجل.

ترجمہ: یعنی بد نصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ (رمضان) میں بھی اللہ عزوجل کی رحمت سے محروم رہ جائے۔ (ابن ماجہ)

امام حاکم نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت جبریل امین نے قصداً روزہ نہ رکھنے والے کے حق میں ہلاکت کی دعا کی اور حضور ﷺ نے اس پر آمین کہا۔ اللہ کی پناہ!

روزہ کے جسمانی و روحانی فوائد:

روزہ وہ محبوب عبادت ہے جس میں بے شمار روحانی و جسمانی فوائد ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لکل شیء زکوٰة وزکوٰة الجسد الصوم.

ترجمہ: ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے۔

یعنی جس طرح مال کی زکوٰۃ نکالنے سے مال پاک صاف اور چوروں سے محفوظ ہو جاتا ہے، ایسے ہی روزہ دار روزہ رکھنے سے جسمانی اعتبار سے طاقت ور صحت مند اور بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

جدید طبی تحقیقات کے مطابق روزے کا سب سے اہم جسمانی فائدہ یہ ہے کہ اس سے معدے کی اصلاح ہوتی ہے۔ آج میڈیکل سائنس کے ماہرین نے بھوک کے ذریعہ جسمانی اور دماغی مرض کا علاج شروع کر دیا ہے، کیوں کہ بھوک سے حرارت غریزی کو ایک نئی توانائی ملتی ہے اور باطنی فضلات صاف ہو جاتے ہیں جو بدن کی نشو و نما اور جسم کی پرورش کے لیے کافی اہم ہیں۔ قربان جائیے معلم کائنات ﷺ کی نگاہِ بصیرت پر کہ موجودہ سائنس آج جس حقیقت کا پتہ دے رہی ہے آپ نے اس حقیقت کو ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی بے نقاب کر دیا تھا۔

روزے کے اسی جسمانی فائدے کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے: "صوموا تصحوا" یعنی روزہ رکھو صحت یاب ہو جاؤ گے۔

قرآن کریم میں روزے کا مقصد اور غرض و غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ روزہ تقویٰ و طہارت، تزکیۂ نفس اور صفائی قلب کے حصول کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو نفسانی خواہشات کو ختم کر کے اسے کنٹرول میں رکھتا ہے اور جب انسان اپنے نفس پر قابو پا لیتا ہے تو اس سے بہت کم گناہوں کا صدور ہوتا ہے، کیوں کہ نفس ہی وہ شیطانی قوت ہے جو انسان کو بار بار معصیت کی دعوت دیتا ہے اور انسان نفس کا غلام بن کر گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن روزہ کے ذریعہ جب نفسانی خواہشات کو توڑ دیا جاتا ہے تو انسان بے حیائی کا مجسمہ بننے کے بجائے شرافت و حیا کا پیکرِ جمیل نظر آتا ہے۔

جس طرح وضو اور غسل جسم کی غلاظت کو دور کر کے اسے پاک بنا دیتا ہے، ایسے ہی روزہ روح کو پاک کر کے آئینے کی طرح صاف و

شفاف بنا دیتا ہے اور قلب کی ایسی صفائی ہو جاتی ہے کہ روزے دار اس کے پاکیزہ اثرات رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی محسوس کرتے ہیں۔ معلم کائنات ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

نور و اقلم بکم بالجوع و جاھدوا انفسکم بالجوع والعطش وادیموا قرع باب الجنة بالجوع فان الاجر فی ذٰلك کاجر المجاھد فی سبیل اللہ وانه لیس من عمل احب الی اللہ من جوع وعطش ولن یلج السمٰوٰت من ملأ بطنه وفقد حلاوة الایمان.

ترجمہ: اپنے دلوں کو بھوک سے روشن کرو، بھوک اور پیاس سے اپنے نفس کا مجاہدہ کرو اور بھوک کے ذریعہ ہمیشہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو۔ بے شک اس کا اجر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے اجر کے برابر ہے اور اللہ کے نزدیک بھوکے اور پیاسے رہنے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں اور آسمان کے فرشتے اس شخص کے پاس نہیں آتے جس نے اپنا پیٹ بھرا اور عبادت کی مٹھاس کھو دی۔ (مکاشفۃ القلوب، ص:۵۹)

روزے کے مندرجہ بالا جسمانی وروحانی فوائد وثمرات کے باعث کہا جاسکتا ہے کہ روزہ بیک وقت دوا بھی ہے اور دعا بھی۔

روزے کے تقاضے اور ہماری ذمہ داریاں:

روزے کے حسنات وبرکات اور فوائد وثمرات اسی وقت کامل طور پر حاصل کیے جاسکتے ہیں جب کہ پیٹ کے روزے کے ساتھ جسم کے ہر ایک جز کا روزہ رکھا جائے۔ روزے کی اصل روح یہی ہے کہ ایک بندہ مومن رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر کھانے پینے اور جماع سے رُک جانے کے علاوہ اپنے آپ کو برے اعمال سے بھی دور رکھے، برائیوں کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

اگر حال یہ ہو کہ بندہ کھانا پینا تو چھوڑ دے مگر برے کام کو حسب عادت کرتا جائے، روزہ رکھ لے اور بیٹھ کر ٹی. وی.، ریڈیو، کیرم بورڈ وغیرہ کھیلنے میں مشغول رہے تو یہ روزے کا تقاضا پورا کرنا نہ ہوا، بلکہ اس کا مذاق اڑانا ہوا۔ روزے کا بنیادی فلسفہ اور اعلیٰ منزل یہ ہے کہ دل و دماغ کو گندے خیالات اور برے تصورات سے پاک رکھا جائے۔

امام نسائی و ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الصِّیَامُ جُنَّةٌ مَالَمْ یَخْرِقْهَا.

ترجمہ: روزے ڈھال ہیں جب تک کہ ان کو پھاڑ نہ ڈالے۔

اس حدیث میں روزے کو ڈھال فرمایا گیا، مطلب ظاہر ہے کہ ڈھال سے جس طرح انسان اپنی حفاظت کرتا ہے اسی طرح روزہ انسان کے نفس امارہ، شیطان اور جہنم سے حفاظت کرتا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ روزے کو پھاڑا نہ جائے۔

کسی صحابی رسول نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! روزہ کس چیز سے پھٹ جاتا ہے؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: جھوٹ اور غیبت سے۔

یعنی جس طرح پھٹی ہوئی ڈھال دشمن کے وار کو پورے طور سے نہیں روک سکتی اور کما حقہ اس کی حفاظت نہیں کرسکتی اسی طرح پھٹا ہوا روزہ بھی انسان کو نفس امارہ، شیطان اور جہنم سے پورے طور پر نہیں بچا سکتا۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کم من صائم لیس صومہ الا الجوع والعطش.

ترجمہ: کتنے روزے دار ایسے ہیں کہ انھیں روزے سے بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا:

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس للہ حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه.

ترجمہ: جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لہٰذا حالت روزہ میں جھوٹ، چغلی، تہمت، گالی گلوچ، جھوٹی قسم، غیر محرم پر نگاہ ڈالنا اور اس طرح کے دیگر ناجائز کاموں سے حتی الامکان بچا جائے اور جہاں تک ہوسکے بھلائیاں جمع کرنے کی کوشش اور فکر میں لگے رہنا چاہیے۔ یہ ہماری اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ رمضان المبارک کے موسم پر بہار میں خود بھی نیکیاں کریں اور مسلم معاشرے کے ہر فرد کو نیکیوں کی دعوت دیں۔ نماز، روزہ اور تراویح کا کمالِ ذوق سے اہتمام کریں، زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ غریب مسلمانوں کی مدد کریں، مسکینوں کی حاجت پوری کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو کارِ خیر کی توفیق دے اور ماہِ رمضان کے دینی و اخروی سعادتوں سے مالامال فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

تاخیر کا موقع نہ تذبذب کا محل ہے
یہ وقتِ عمل وقتِ عمل وقتِ عمل ہے

☆☆☆☆☆

آئینۂ وطن

جنگ آزادی اور دھلی کے علمائے اہلِ سنت

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی

شہر دہلی دریائے جمنا کے مغربی کنارے پر آباد ہے۔ یہ شہر 608ھ/ 1211ء میں ہندستان کے اولین فرماں رواؤں کا دار الحکومت رہا ہے اور چند مستثنیات سے قطع نظر اس وقت سے لے کر بہادر شاہ ظفر کی معزولی تک شمالی ہندستان کے شاہی خانوادوں کا پایۂ تخت رہا۔ مسلمانوں نے جاہ وجلال کے ساتھ اس ملک پر کم وبیش ایک ہزار سال حکومت کی۔ 1911ء میں یہ برطانوی ہند کا دار السلطنت قرار پایا اور 1947ء کے بعد سے لے کر اب تک آزاد ہندستان کا دار الحکومت ہے۔

دہلی شہر چوں کہ ہر دور میں عوام وخواص کی توجہ کا مرکز رہا ہے، اس لیے مختلف زمانوں میں اسے مختلف ناموں سے یاد کیا گیا۔ ہستنا پور کے علاوہ دلیب نگر اور تغلق آباد سے بھی اس کو شہرت ملی۔ اگر چہ اس شہر کے متعدد نام ہیں لیکن جتنی شہرت اس کو دہلی کے نام سے ملی اور کسی نام سے نہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف ''مرقع دہلی'' کے مصنف نے ان لفظوں میں کیا ہے:

''دہلی ہی ایک ایسا مقام ہے جو فرماں روانِ ہند کی شاہنشاہیت کا صدر مرکز ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً مختلف زمانوں میں بانیوں کے نام کی مناسبت سے اس کے نام بھی مختلف مثلاً ہستنا پور، اندر پرست، دلیب نگر، تغلق آباد، دہلو، اور شاہجہاں آباد رکھے گئے۔ مگر ان ناموں میں سب سے زیادہ مقبولیت اور عام شہرت دہلی یا دلی نام کو حاصل ہوئی جو آج تک زبان زد عام وخاص ہے۔''(1)

اس دہلی شہر پر انگریزوں نے کس طرح قبضہ کیا اور ان کے چنگل سے اس ملک کو پھر کس طرح آزادی ملی، اس کی ایک طویل داستان ہے، جس کی تفصیل اس موقع سے لکھی جانے والی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس وقت صرف دہلی کے حوالے سے مجاہدین علما کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا جائزہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اس ملک ہندستان پر مغلیہ سلطنت صدیوں رہی۔ یہ ملک مغل سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر سے انگریزوں نے حاصل کیا تھا، اس لیے انھیں ہمیشہ یہ خدشہ لاحق رہا کہ جب بھی مسلم قوم بیدار ہوگی اور اپنے تخت وتاج اور ریاست وامارت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھے گی تو ان کی للچائی ہوئی خواہشیں پھر سر ابھارنے لگیں گی اور وہ لوگ اپنی صفیں درست کر کے میدان کارزار گرم کردیں گے۔ اسی وجہ سے انگریز مسلمانوں کی حرکت وعمل پر کڑی نظر رکھتے تھے، جس کا اعتراف انگریز ڈائری نویس رُسل (Runssel) اس طرح کرتا ہے:

''واقعہ یہ ہے کہ ہندستان میں مسلمانوں کا طبقہ ہی ہماری خاص مشکلات کا باعث ہے اور مسلمانوں کی طرف سے خصوصی مزاحمت ہے۔ اگر ہم ایک عظیم جد و جہد کے ذریعہ مسلمانوں کی روایات اور مسجدوں کو نیست ونابود کردیں تو یہ عیسائی مذہب اور برطانیہ کی حکومت والوں کے لیے بہتر ہوگا۔''(2)

ان خطرات کے باوجود بھی مسلم قوم اپنی عادت کے مطابق عیش وعشرت کے نشے میں چور تھی، مسلم سلاطین اور ان کے شہزادوں کو اس کا ہوش ہی کہاں تھا۔ وہ عیش ومستی میں اس طرح کھو گئے کہ انھیں اپنی حکومت کی پرواہ ہی نہ رہی۔ دن بہ دن حکومت کا نظام ناقابلِ اطمینان ہوتا گیا۔ اس دور کے اکابر علما حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنے دور کے حکمرانوں اور ان کے شاہ زادگان کو اپنے وعظ وتبلیغ اور رشد وہدایت کے ذریعہ لاکھ سمجھانے کی کوشش کی مگر عیش پرستی اور پست ہمتی نے انھیں سنبھلنے کا موقع نہ دیا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ برطانوی سامراج نے ان کی عیش پرستی سے بھر پور فائدہ اٹھایا اور رفتہ رفتہ پوری طرح اس ملک پر قابض ہوگئے۔

انگریزوں نے ہندستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عیسائیت کی تبلیغ شروع کردی تھی۔ انگریز پادری مذہب عیسائیت کی تبلیغ سے ہندستانیوں کا دین بگاڑ کر ہندو اور مسلم دونوں کو اپنا ہم نوالہ وہم پیالہ بنانے کی جد وجہد میں تھے۔ یہ محض ہوائی اور بے بنیاد افواہ نہ تھی۔ اس

صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

عہد میں عیسائی پادری قریب قریب ہر بڑے شہر اور ضلع میں پھیل گئے تھے۔ جگہ جگہ گرجا گھر، وعظ خانے، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔ طرح طرح کی تدبیروں سے دینِ مسیحی کی تبلیغ ہونے لگی۔ (3) جوان کی باتوں میں نہیں آتا اسے اپنے ظلم وتشدد کا نشانہ بناتے اور جوان کو وفادار ہو جاتا انھیں وہ اعزاز واکرام سے نوازتے۔ ہندوؤں میں آریہ سماج اور مسلمانوں میں کچھ علما پر ان کی خاص عنایت رہی۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جہاں سے ملت اسلامیہ کا زوال شروع ہوتا ہے وہیں سے ان کی ترقی کے راستے ہموار ہوتے ہیں۔ الغرض عام مسلمانوں کا برا حال تھا۔ ان کی معاشی تباہی دیکھنے کے قابل تھی۔ ہر انسان دل ہی دل میں کڑھتا رہا، مگر ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ انگریزوں سے مقابلہ کے لیے کوئی صف بندی کریں۔ خدا مغفرت کرے مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ ہمتِ مردانہ اور جرات رندانہ عطا کی تھی جس کے باعث وہ کمر ہمت کس کر میدان میں نکل پڑے۔ اگر انھیں 1857ء کے غدر کے اولین محرکین میں شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ملتِ اسلامیہ کو انگریزوں کے خلاف صف آرا کرنے کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر کیا، دورانِ سفر گوالیار بھی گئے۔ وہاں ان کی ملاقات محراب شاہ قلندر سے ہوئی۔ محراب شاہ قلندر خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا، میاں ایک عرصہ سے میں تمھارے انتظار میں ہوں۔ احمد اللہ شاہ نے بیعت وارادت ہونے کی تمنا ظاہر کی۔ مرشدِ طریقت نے فرمایا، میاں بیعت تو کرتے ہو مگر جان کی بازی لگانی ہوگی، سودا بڑا کٹھن ہے۔ انھوں نے بسر وچشم قبول کیا۔ مرشد نے اوراد ووظائف کے ساتھ تلقینِ جہاد ضروری قرار دی۔ ارشادِ مرشد کی تعمیل کی خاطر دلی پہنچے۔ بہادر شاہ ظفر مغلیہ سلطنت پر جلوہ افروز تھے۔ نام نہاد کی بادشاہت تھی، عنانِ سلطنت انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ شہزادے رنگ رلیوں مین مصروف تھے۔ علما وصوفیا کو اپنے نام و نمود، تن آسانی اور شکم پروری سے فرصت نہ تھی، مسلم سماج کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، مگر کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اسکے خلاف آواز بلند کرے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے دلی کا یہ رنگ دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ اس زمانے کے جو اکابر صوفیا تھے، سب سے ملاقاتیں کیں، مگر کسی نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرا۔ دلی کے علما سے بھی ملے، اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔ مولانا رشید الدین خاں، مولوی کریم اللہ، مولوی مخصوص اللہ، مولوی قطب الدین خاں، مولوی عبد الخالق، مولوی سید محبوب علی، مولوی نصیر الدین شافعی، مولانا محمد نور الحسن، مولوی کرامت علی، مولوی مملوک علی نانوتوی، سراج العلما سید رحمت علی خاں، صدر الدین آزردہ، مولوی سید امت علی، ان تمام علما سے مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں ہر ایک درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں لگا ہوا تھا۔ سب سے مل کر آپ نے سب کو وقت کی نزاکت کا احساس دلایا، مگر یہاں بھی سرد مہری نظر آئی۔ صرف مفتی صدر الدین نے کچھ کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ آگرہ چل کر اس تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔ (4)

مولوی احمد اللہ شاہ آگرہ گئے، انھیں آگرہ کے سفر میں خاطر خواہ کامیابی ملی۔ جن علما نے وہاں ایسٹ انڈیا کمپنی سے عدم موالات کر رکھا تھا، سب کو آپ نے اپنا ہم نوا بنالیا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں:

”وہ علما جنھوں نے حکومت کمپنی سے عدم موالات کر رکھا تھا، وہ لوگ جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور اپنے فتاویٰ سے تحریک کو گرمایا۔“(5)

اس طرح بڑی جد وجہد کے بعد مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی کو کسی قدر مقصد میں کامیابی ملی۔ دوسری طرف جنگ آزادی کے دوسرے ہیرو حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی تھے، جو مسلمانوں کی خستہ حالی اور بے بسی سے بہت پریشان تھے۔ انگریزوں کے خلاف تحریکِ جہاد میں انھوں نے اعلانیہ حصہ لیا اور متعدد والیانِ ریاست اور امرائے ہند کو اس تحریک میں نہ صرف شامل ہونے کی دعوت دی بلکہ اس کے لیے جی توڑ کوشش بھی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کو مولانا کی شرکت سے بڑی تقویت ملی۔ جہاں جہاں بغرض ملازمت گئے، ہر جگہ انھوں نے انگریزوں کے خلاف ملت اسلامیہ کو صف آرا کرنے کی انتھک کوششیں کیں، پھر جب دوبارہ دہلی آئے تو دہلی کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ یہاں دیسی بدیسی کی زبردست ٹکر تھی۔ اس وقت دلی پر میرٹھ کی باغی فوج حملہ کر چکی تھی۔ قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا۔ بادشاہِ دہلی سرگرمیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ علامہ بھی شریکِ مشورہ رہے۔ منشی جیون لال اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں:

”16/اگست 1857ء کو مولوی فضل حق شریکِ دربار ہوئے، انھوں نے اشرفی نذر میں پیش کی اور صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔“(6)

دلی کی موجودہ صورت حال پر کھل کر تبادلۂ خیال کیا۔ شہزادوں کا تخت شاہی پر قابض ہونے کے تعلق سے باہمی رقابت کا بھی ذکر آیا۔

علامہ نے شہر کے عمائدین سے بھی ملاقاتیں کیں۔ جن لوگوں سے آپ ملے، ان میں سے آپ کو دو قسم کے لوگ نظر آئے۔ ایک گروہ بادشاہ کا ہم نوا تھا تو دوسرا ایسٹ انڈیا کمپنی کا بہی خواہ۔ لوگوں کا عجیب حال تھا۔ ہر ایک شخص زر کا متمنی تھا۔ صرف مجاہدین کا ایک گروہ مخلص تھا جس کے رہ نما جنرل بخت خاں روہیلہ تھے جو اپنے پیر مولوی سرفراز علی کے حکم سے انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لیے صف آرا ہوئے تھے۔ انگریزوں کے خلاف جب آپ کے عناد ونفرت کی خبر جنرل بخت خاں کو ہوئی تو فرطِ مسرت سے باچھیں کھل گئیں۔ آپ سے ملنے آئے، مزاج میں ہم آہنگی پا کر دونوں ایک دوسرے سے بہت خوش ہوئے۔ علامہ نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنا آخری تیر ترکش سے نکال دیا۔ بقول مفتی انتظام اللہ شہابی:

”جمعہ کے روز مسجد میں علما کے سامنے تقریر کی اور استفتا پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں جز بز ہوئے، مولوی عبد القادر، قاضی فیض احمد بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی، مولوی سید مبارک شاہ رام پوری وغیرہ سے بھی دستخط کرا دیے۔ مفتی صاحب فتویٰ پر دستخط کرتے وقت بالخیر کو بالجبر لکھ گئے۔ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔“(7)

اس فتویٰ کے تعلق سے ذکاء اللہ خاں نے لکھا ہے کہ ایسا صرف بخت خاں کی کوششوں سے ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

”جب تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا تھا، جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ مساجد میں ممبران پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا۔ بخت خاں نے یہ فتویٰ لکھا کہ مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔ فتویٰ کا اثر یہ تھا کہ مسلمانوں میں مذہبی جوش زیادہ ہو گیا۔“(8)

اس حقیقت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا کہ 1857ء کے غدر میں علما نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ایک اہلِ قلم اور محقق کے بقول:

”مولانا فضل امام خیر آبادی صدر الصدور دہلی، مفتی صدر الدین آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی منصف صدر امین کول و بریلی، مولانا فضل رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر دفتر سہسوان، مفتی انعام اللہ گوپاموی قاضیِ دہلی وسرکاری وکیل الہ آباد، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سررشتہ دار امین بریلی، علامہ فضل حق خیر آبادی سررشتہ دار ریزیڈنسی دہلی وصدر الصدور لکھنؤ مہتمم حضور تحصیل اودھ مولوی غلام قادر گوپاموی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوان وتحصیل دار گوڑگاؤں، مولوی قاضی فیض اللہ کشمیری سررشتہ دار وصدر الصدور دہلی، یہ سب اپنے وقت کے بے نظیر وعدیم المثال اکابر علما تھے۔ حکومت کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ مسلمانوں کی سلطنت کی بربادی ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ موقع کا انتظار تھا۔ 1857ء کا وقت آیا تو سب میں پیش پیش یہی حضرات تھے۔ والیانِ ریاست وارا کین دولت میں ناقوسِ حریت پھونکنے والے یہی تھے، عوام کو ابھارنا اور فتاویٰ جہاد جاری کرنا انھیں کا کام تھا اور انقلاب 1857ء کے بعد سب سے زیادہ مصائب اٹھانے والے اور آتش حریت میں جلنے والے یہی شمع شبستان آزادی کے پروانے تھے۔“(9)

ان حضرات کے علاوہ جن جن علما نے جنگ آزادی کی تحریک میں جان ڈالی ان میں مولوی سرفراز علی شاہ جہان پوری، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، شاہ عبد العزیز، شاہ عبد القادر، مولانا نواب وقار الدین خاں، مولانا عبد الحیٔ، محمد اکرام اللہ محدث دہلوی اور بدایوں، آگرہ، دہلی اور کاکوری کے علما کا بھی کافی اہم حصہ تھا۔ منشی رسول بخش کی مجاہدانہ خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے علمِ جہاد بلند کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ان علما کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے دلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئے۔ مسلمان اپنی عاداتِ قبیحہ سے باز نہ آئے، غداری کر بیٹھے، 1857ء کی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی۔ مرزا مغل نے منافقانہ رویہ اختیار کیا، جس کے سبب لوگ جنرل بخت خاں سے ناراض ہو گئے اور فوج دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ جن جن لوگوں نے بغاوت میں حصہ لیا تھا، ان پر مقدمے چلے، جیل میں ڈالا گیا، کالے پانی کی سزا دی گئی، دلی کے جن علما کو انگریزوں کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا ان کی فہرست طویل ہے۔ سن ستاون کے ہیرو مولانا فضل حق خیر آبادی کو 30/جنوری 1859ء کو گرفتار کر کے لکھنؤ روانہ کر دیا گیا۔ 22/فروری کو مقدمہ پیش ہوا اور 28 فروری کو حسب ذیل فرد جرم عائد کی گئی:

1- 1857ء اور 1858ء کے دوران بغاوت کا سرغنہ رہا اور دہلی اور اودھ کے اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی۔

2- اس نے بوندی کے مقام پر 1858ء میں باغی سرغنہ موخاں کی مجلس مشاورت میں نمایاں حصہ لیا۔(10)

اس جرم کے باعث علامہ فضل حق خیر آبادی پر مقدمہ چلا۔ جس جج کی زیر نگرانی علامہ فضل حق خیر آبادی پر مقدمہ چلا، وہ آپ کے تبحر علمی سے بھرپور واقف تھا۔ جج نے علامہ کے صدر الصدور کے دور میں کچھ کام بھی سیکھا تھا۔ اس نے آپ کو بچانے کی بھرپور کوشش کی مگر علامہ اپنی بات پر اٹل رہے۔ گواہ نے بیان بھی بدلا مگر آپ نے اسے جھوٹا قرار دیا اور فرمایا کہ مجھے دیکھ کر جھوٹ بول رہا ہے، میں ہی فضلِ حق خیر آبادی ہوں، جس نے فتویٰ جہاد دیا تھا۔ علامہ کی اس حق بیانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے 4/ مارچ 1859ء کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور اور تمام جائداد کی ضبطی کا فیصلہ سنایا گیا اور جزیرۂ انڈمان میں محبوس کرنے کا حکم صادر کر دیا گیا۔(11) یہ سزا مولانا کو دراصل فتویٰ جہاد ہی کی بنا پر ہوئی تھی۔ رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے، ان کو فتویٰ جہاد کے پاداش اور جرمِ بغاوت میں انڈمان بھیج دیا گیا۔ وہیں بڑی بڑی ذلیل خدمتیں ان کے سپرد ہوئیں۔'' آخر وہ ان مصائب کو برداشت نہ کر سکے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔''(12)

مفتی صدر الدین آزردہ جنھوں نے فتویٰ جہاد پر دستخط کرتے وقت بالخیر کے بجائے بالجبر لکھ دیا تھا، وہ بھی انگریزوں کی گرفت سے نہ بچ سکے اگرچہ بعد میں چھوڑ دیے گئے مگر انھیں بھی سزا ہوئی، بیٹھے بیٹھے انھوں نے ایک ترکیب بند لکھ ڈالی، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

پھنسے بے ڈھب الٰہی دیکھیے کیسی بنے
مر رہے ہیں سب الٰہی دیکھیے کیسی بنے(13)

اس طرح دلی کے جو علما بغاوت کے سبب انگریزوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ان میں قاضی فیض اللہ دہلوی، سید مبارک شاہ رام پوری، مولوی امام خاں رسال دار جو ٹونک سے دلی آ کر مجاہدین میں شامل ہوئے، مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین جو جنرل بخت خاں کے پیر تھے، مولوی عبد الغفور ٹونکی، مولوی عماد الدین شہید نبیرہ ملا عبد السلام کرمانی جیسے علمائے جاں باز قابلِ ذکر ہیں۔ ہر طرف تباہی ہی تباہی تھی، جہاں جسے موقع ملتا باغیوں کو تہ تیغ کرنے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی۔ ذرا ذرا سی بات پر کشتوں کے پشتے لگا دیے جاتے۔ میاں محمد شفیع لکھتے ہیں:

''کوچہ چیلان میں تمام نام برآوردہ علما، صلحا و شرفا رہتے تھے، خاندان ولی اللٰہی سب اسی محلے میں تھا، سر سید احمد خاں بھی اسی کے ایک کنارے تھے، منشی ذکاء اللہ بھی اسی کے ساکن تھے، فارسی کے علامہ مولانا صہبائی اور تمام اہل محلہ کو گرفتار کر کے ایک رسی میں باندھ لیا گیا، جو سیکڑوں کی تعداد میں تھے اور جمنا کی ریتی پر لے جا کر باڑھ مار دی۔ جرم یہ تھا کہ شیر جنگ کے بیٹے محمد علی خاں یا حکیم فتح اللہ خاں نے ایک گورے کو زخمی کر دیا تھا، جو ان کے زنانے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔''(14)

اس اندوہ ناک واقعہ کا ذکر مولوی ذکاء اللہ نے اپنی تصنیف تاریخ عہد انگلیسیہ میں ان لفظوں میں کیا ہے:

''نواب شیر جنگ کے بیٹے محمد علی خاں نے ایک (انگریز) سپاہی کو اس لیے زخمی کیا تھا کہ وہ ان کے زنانے میں بدنیتی سے جانا چاہتا تھا۔ اس قصور میں انگریز حاکموں نے حکم دیا کہ اس کوچہ کے سارے مردوں کو مار ڈالو۔ ان بے گناہ مقتولوں میں ایک صاحب کمال مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے کنبہ کے اکیس افراد بھی تھے۔''(15)

ان علما کے تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے انگریزوں کے ہر ظلم و ستم کو سہنا گوارا کر لیا مگر اپنے موقف میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں کی۔ جنگ آزادی میں جن علما نے حصہ لیا، ان میں کم و بیش تمام مکاتب فکر کے علما شامل تھے، مگر افسوس یہ ہے، ہمارے مورخین اور قلم کاران علما کو زیادہ نمایاں کرنے پر اپنا زورِ قلم صرف کر دیتے ہیں جن کی مجاہدانہ سرگرمیاں قدیم مستند ماخذ کی روشنی میں مشکوک ہیں اور جنھوں نے تن من دھن کی بازی لگا کر انگریزوں سے جہاد کیا اور اپنا سب کچھ ملک و ملت پر نچھاور کر دیا، ان کے ناموں کو 1857ء کی تاریخ سے کھرچ کر پھینکنے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔ اس موضوع پر گفتگو میں کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔ یہاں تو میں مولوی اخلاق حسین قاسمی کا وہ بیان درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جو انھوں نے جنگ آزادی کے علما کے تعلق سے لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''اکابر علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث کے علاوہ خوش عقیدہ علما میں اس طبقے کے اکابر مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا عبد الماجد بدایونی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی (جانشین مولانا احمد رضا خاں) علامہ سر محمد اقبال، مولانا محمد فاخر الہ آبادی، سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل شریک جماعت رہے۔ مولانا معین الدین اجمیری جمعیۃ العلما کے بنیادی اراکین میں شامل رہے۔ علامہ اجمیری بالواسطہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے

شاگرد تھے۔''(16)

انگریزوں نے جب دھیرے دھیرے اپنا تسلط جما لیا اور اپنے ناپاک منصوبے کے مطابق اپنے مذہب کے جال میں سب کو پھنسانے لگے تو اس وقت ہندستان کی شرعی حیثیت کا مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ آیا یہ ملک ہندستان جس پر اس وقت انگریز قابض ہیں اور اپنی من مانی مذہب کی اشاعت کر کے دوسروں کو عیسائی بنا رہے ہیں، کیا یہ دار الاسلام ہے یا دار الحرب ہے، یا اس ملک کی کوئی اور شرعی حیثیت ہے۔ اس سلسلے میں بھی علما مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ وہ علما جنھیں انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی اور ان کے منصوبے کے مطابق وہ اپنی سرگرمیاں چلا رہے تھے، ان کا موقف انگریز دوستی پر مبنی تھا اور وہ علما جو انگریزوں کی پالیسی اور ان کے ظلم و تشدد کے خلاف تھے ان کا موقف انگریز مخالف تھا۔ ان علما میں بعض ہندستان کو دار الحرب کہتے تھے اور مسلمانوں کو مستامن اس لیے جہاد کے مخالف تھے۔ دوسرے وہ علما جو ہندستان کو دار الاسلام کہتے تھے، اس لیے جہاد کے عدم جواز کے فتوے دیتے تھے۔ بہر کیف ماسوائے چند علما کے مصلحت وقت کے تحت سب نے ہی انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہندستان کے دار الاسلام اور دار الحرب ہونے کے تعلق سے تین اقوال تحریر کیے اور تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ:

''وہمیں قول ثالث را محققین ترجیح دادہ اندو بریں تقدیر معمولہ انگریزان و اشباہ ایشان بلاشبہہ دار الحرب است۔''(17)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے برطانوی سامراج کے پنجۂ استبداد میں پھڑ پھڑاتے اور شعائر اسلام کو پامال ہوتے ہوئے دیکھ کر ہندستان کے دار الحرب ہونے کو ترجیح دی۔ بیش تر انگریز مخالف علما نے اس فتویٰ کو درست قرار دیا۔ انگریز نواز علما اس کی مخالفت میں لگ گئے۔ لیکن اب جب کہ ہندستان کو دار الحرب قرار دے دیا گیا تو اب مسلمانوں کے پاس صرف دو صورتیں تھیں اور وہ یہ کہ وہاں کے باشندوں کے ساتھ اعلانِ جہاد کیا جائے یا پھر ہجرت کر کے دوسرے ملک کی راہ اختیار کی جائے۔ چناں چہ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی اور مولانا محمد یعقوب اور دیگر مجاہدین نے ہجرت کر گئے لیکن بڑے پیمانے پر جو عملی دقتیں اور مشکلات تھیں ان کے پیش نظر یہ ممکن نہ تھا کہ بر اعظم کے رہنے والے سارے مسلمان ہجرت کر جائیں۔ اس لیے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو جابر حاکم کے سامنے کلمۃ الحق کے اعلان سے افضل الجہاد کی مثال قائم کرے۔ چناں چہ یہ کام مولانا فضل حق خیر آبادی نے اپنے ذمہ لیا۔(18)

ان فتاویٰ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف کسی حد تک متحد ہو گئے اور ان کی حرارتِ ایمانی نے انھیں انگریزوں کے خلاف سینہ سپر ہونے پر مجبور کر دیا۔ مگر جو علما فتویٰ جہاد اور ہندستان کو دار الحرب ماننے کے خلاف تھے انھوں نے مجاہدین کو مفسدہ، باغی اور بدکردار جیسے الفاظ سے یاد کیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی 1857ء میں شریک مسلمانوں کو باغی و بدکردار ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مفسدہ 1857ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گنہ گار اور بہ حکم قرآن و حدیث مفسد، باغی اور بدکردار تھے۔ اکثر ان میں عوام کالانعام تھے، بعض جو خواص و علما کہلاتے تھے وہ اصل علومِ دین سے بے بہرہ تھے یا نافہم و بے سمجھ۔ باخبر سمجھ دار علما اس میں ہرگز شریک نہ ہوئے اور نہ ہی اس پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لیے مفسدہ لیے پھرتے تھے انھوں نے خوشی سے دستخط کیے۔

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسماعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے اپنے ملک ہندستان میں انگریزوں سے (جن کے امن و عہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے۔ اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں (جو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرتے تھے، کسی کو اونچی اذان نہیں کہنے دیتے تھے) سے لڑے۔''(19)

دہلی کے جن علما نے جنگ آزادی کی مخالفت میں کلیدی کردار ادا کیا، ان میں شاہ اسماعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی کا کلیدی کردار رہا ہے۔ ایک مرتبہ وہ کلکتہ میں وعظ فرما رہے تھے کہ اثنائے وعظ کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے وہ بھی تو ظالم اور کافر ہیں تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا، انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کوئی اذیت نہیں اور چوں کہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں ہمارے مذہب کی رو سے ہم پر یہ فرض ہے کہ انگریزوں سے جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔''(20)

ان حضرات کے علاوہ اور بھی مولوی صاحبان تھے جو انگریزوں کی نہ صرف صلہ و ستائش کے مستحق تھے بلکہ ان سے داد و دہش بھی لیتے تھے۔ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

''مولوی نذیر حسین صاحب اور مولوی عبد الرب صاحب اور

مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب نے غدر میں ایک دو میموں اور بچوں کو اپنے گھر میں چھپایا تھا۔ اس صلے میں انگریزوں نے ان کو انعام دیا تھا اور ان کی خیر خواہی کی قدر کی۔‘‘(21)

یہ وہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے، چشمِ بینا رکھنے والا جس کا کبھی انکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس روشن حقیقت کے باوجود 1857ء سے لے کر 1947ء تک تمام مجاہدانہ سرگرمیوں کا سہرا انھیں کے سر باندھا جاتا ہے۔ ان حضرات کو بے نقاب کرنے کے بجائے مجاہد حریت، جنگ آزادی کے ہیرو حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی کو ہی 1857ء کے منظر نامے سے تعصب وعناد کی بنیاد پر ہٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان مورخین نے یہ معاندانہ طرزِ عمل کیوں اختیار کیا، اس کی بعض مصنفین نے دو وجہیں بتائی ہیں۔

’’1-انگریز پرست مسلمان تو مولانا سے اس لیے خفا تھے کہ وہ سن ستاون کی جنگ آزادی میں مجاہدانہ اور باغیانہ کردار کے حامل رہ چکے تھے۔

2-اور کٹر مذہبی حلقے اس لیے ناراض تھے کہ مولانا خیر آبادی شاہ اسماعیل شہید کے نظریات سے متفق نہیں تھے۔‘‘(22)

جنگِ آزادی کے ایک دوسرے بطلِ جلیل مولانا احمد رضا خاں قادری کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے انگریز نوازی کا ثبوت دیا اور ترکِ موالات کی مخالفت کی۔ یہ سب باتیں سراسر حقائق کے خلاف ہیں۔ ان کا تو صرف یہ کہنا تھا کہ جتنی بھی اسلام دشمن طاقتیں ہیں سب سے ترکِ موالات ہونا چاہیے۔ چوں کہ وہ شریعتِ اسلام کی روشنی میں حق بات کہنے کے عادی تھے، اس لیے انھوں نے جو اس وقت فیصلہ صادر فرمایا وہ مقتضائے حال کے عین مطابق تھا۔ اگر ان کے فیصلے پر اس وقت عمل کرلیا جاتا تو شاید برادرانِ وطن کے ہاتھوں ہندستان کے مسلمانوں کا آج یہ حال نہ ہوتا۔ وہ شخص جس نے کبھی کسی نواب مسلمان یا امیر کی مدح سرائی نہ کی ہو وہ انگریزوں کا کس طرح حامی وناصر ہوکر گن گاتا۔ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ نواب ریاست نانپارہ کے لیے قصیدہ کہنے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے یہ کہہ کر بات ٹال دی۔

کروں مدحِ اہلِ دول رضا، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین پارۂ ناں نہیں (23)

بہر حال اس وقت ان تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں۔ ان مجاہدین علما کے فتاوے سے جو فضا بنی اس سے پورے دہلی کے مسلمانوں میں انقلابی جذبہ انگڑائیاں لینے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری فضا میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا زہر گھول دیا گیا۔ تاریخ بغاوت ہند کے مصنف کے بقول:

’’بتاریخ یکم ماہ اپریل یعنی ایک ماہ گیارہ روز پیش تر واقع اس بلوہ کے ایک اشتہار جامع مسجد میں آویزاں کیا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ بتاریخ 11/از ماہ مئی دہلی لوٹی جائے گی اور بڑا کشت وخون ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت حکام نے کچھ توجہ اس جانب نہ کی جیسے اور امور اس قسم کے اس وقت ہنسی میں ٹالے جاتے تھے یہ بھی اخبار نویسان اضلاع شمالی ومغربی ہنسی میں ٹال دیا۔‘‘(24)

بات صرف یہی نہیں تھی بلکہ اور بھی اس طرح کے واقعات تھے جس سے غدر کی پیشن گوئی کا پتہ چلتا ہے۔ سید ظہیر مرحوم دہلوی نے اپنی تصنیف داستانِ غدر میں ایک عجیب وغریب واقعہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہنگامہ سے چار پانچ ماہ پیش تر بازار پایہ والوں میں مولوی عیسیٰ کتب فروش کی دکان پر بیٹھا کتابیں دیکھ رہا تھا، یکا یک ایک بزرگ لحیم شحیم دراز قد، فربہ اندام، دراز ریش سیہ فام، کڑ بڑی آنکھیں، ساٹھ برس کا سن وسال، ڈھیلا انگرکھا شرعی پاجامے، گول ٹوپی، ہاتھ میں عصا، گردن میں تسبیح ڈالے ہوئے وارد ہوئے۔ میں اور مولوی عیسیٰ نے تعظیم دی۔ وہ ایک قرآن مجید لے کر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ ایک رکوع پڑھنے کے بعد ان پر حالتِ جذب طاری ہوئی، آنکھیں سرخ ہو گئیں، چہرہ تمتما گیا، گردن کی رگیں پھول گئیں اور حالتِ غیظ میں بازار کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے:

’’اے لو، اے لو، وہ مار ڈالا، وہ پھانسی دے دیا، وہ پھانسی دے دیا۔ واہ وا کیا خوب تماشا ہے۔ ایک ایک کو مارے ڈالتا ہے، ایک ایک کو پھانسی دے رہا ہے اور کوئی کچھ نہیں کہتا اور مارٹن صاحب بیٹھے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

پھر خود فرمانے لگے، بس خاموش رہو، تمھیں کس نے اذن دیا ہے اسرارِ الٰہی فاش کرو۔ یہ کہتے ہی گردن جھکا لی اور دوبارہ پھر تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ پھر وہی حالت طاری ہوئی اور وہی باتیں فرمائیں۔ تین مرتبہ قرآن مجید کو بوسہ دیا اور بند کر کے میرے حوالے کردیا۔‘‘(25)

اس طرح جو کچھ مختلف جہتوں سے 1857ء کے غدر کی پیشن گوئی کی گئی وہ حالات وواقعات پیش آئے انگریزوں نے ایک ایک کر کے مسلمانوں سے اس کا انتقام لیا، جس میں بارہ تیرہ ہزار علما شہید کیے

گئے، کیوں کہ انگریزوں کے اصل نشانے پر مسلمان ہی تھے۔ جنگِ آزادی کی خوں چکاں داستان بیان کرتے ہوئے ’’باغی ہندستان‘‘ کے مصنف لکھتے ہیں:

’’ظالموں کے ظلم کے شکار اکثر وبیش تر مسلمان تھے۔ ہندوؤں میں سے صرف وہ مارے گئے جن کے متعلق دشمن ومعاند ہونے کا یقین تھا۔‘‘(26)

غدر کے واقعات سے جہاں دہلی کے مسلمانوں میں تباہی و بربادی پھیلی ہوئی تھی وہیں برادرانِ وطن مطمئن تھے۔ ان کے ذہن و دماغ میں کوئی انتشار نہیں تھا۔ بقول مولوی ذکاء اللہ:

’’جن محلوں میں غدر سے پہلے ہندوؤں کی ملک میں ایک مکان نہ تھا، غدر کے بعد وہاں بہت سے ہندو مالک مکان ہوگئے۔ مسلمانوں نے اپنا زیور بہت سستا ہندوؤں کے ہاتھ بیچا۔ بارہ آنے تولہ چاندی، چودہ روپے تولہ سونا۔ بہت سے ہندوؤں کے گھروں میں غدر کیا آیا، لکشمی آئی۔ انھوں نے سپاہیوں سے لوٹ یا چوری کا مال ارزاں خرید لیا۔‘‘(27)

انگریزوں نے جس بے دردی کے ساتھ مسلمانوں پر ظلم وستم کیے، وہ کبھی فراموش نہیں کیے جاسکتے۔ پوری دلی کو انگریزوں نے تباہ و برباد کردیا، دلی ویران ہوگئی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ’’سن ستاون میری نظر میں‘‘ کے مصنف رقم طراز ہیں:

’’ہنگامے کے کئی ہفتوں بعد شہر اور اس کے گرد ونواح کی حالت خراب تھی۔ شہر کی چار دیواری مسمار ہوگئی تھی، چاروں طرف تباہی ہی تباہی نظر آرہی تھی۔ پورا شہر کھنڈر بن گیا تھا۔ کرنول والی سڑک پر لاہوری دروازے سے لے کر سبزی منڈی تک جو اس زمانے میں ایک گاؤں تھا، جا بجا مرے ہوئے گھوڑے اور بیل پڑے تھے۔ جن کی چمڑے سوکھ کر ابھری ہوئی ہڈیوں سے چمٹ گئی تھی۔ مغلوں کا یہ عروج البلاد کھنڈروں اور ملبے کا ڈھیر بن کر رہ گیا تھا۔ مکانوں اور سڑکوں میں ہو کا عالم تھا، کوئی آدمی اس کی حفاظت کے لیے موجود نہ تھا۔ اس کے تباہ شدہ دروازوں اور منہدم میناروں پر ویرانی اور بربادی چھائی ہوئی تھی اور بھنگی ان ہزاروں لوگوں کی لاشوں کو جمع کر کے گڑھوں میں دبا رہے تھے، جو تختِ شاہی کو بحال کرنے کے لیے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور اب پورے شہر میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں تھا جو اپنے فاتحوں کے خلاف چوں بھی کرسکے۔‘‘(28)

مسلمانوں نے جس جوش وخروش اور مجاہدانہ جذبے کے ساتھ جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ اس کا ذکر مختلف سوانح نگاروں نے مختلف انداز میں کیا ہے۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ اگرچہ پہلی بار جنگ کے مسلمانوں کی منافقانہ روش کی بنا پر شکست میں تبدیل ہوگئی مگر اس کے باوجود برابر ان کی جد وجہد جاری رہی، جس مومنانہ جوش کے ساتھ وہ میدان میں اترے اس کا نقشہ جنگ آزادی کے چشم دید واقعات پر مبنی کتاب لکھنے والا انگریز سارجنٹ میجر لکھتا ہے:

’’ان لوگوں کی داڑھیاں سفید تھیں، انگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے، جس کے نگینے پر اللہ کندہ تھا۔ ہر غازی کی کمر میں سبز رنگ کا پٹکا بندھا ہوا تھا، وہ روئی کی صدری پہنے ہوئے اور سر پر سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں تلوار تھی اور پشت پر ڈھال تھی۔ دین کا نعرہ لگا کر ہمارے سامنے آئے اور حملہ آور ہونے سے پہلے ان کا سردار جو ایک 20/سالہ بے ریش نوجوان تھا، جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ صف میں آگے بڑھ کر یوں مخاطب ہوا کہ تم کافروں میں کوئی حوصلہ مند ہے جو میرا مقابلہ کرسکے، اگر ہے تو سامنے آئے۔ اس کی آواز سے ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی نوجوان اس کے مقابلے کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ ایک منٹ بعد پھر یہی چیلنج دیا اور کہا کہ میں پانچ آدمیوں سے تنہا مقابلہ کرسکتا ہوں، پھر بھی کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ آخر جھنجھلا کر میان سے اس نے تلوار باہر نکال لی اور صفوں پر حملہ آور ہوا۔ اس نے اس شدت سے حملہ کیا چشم زدن میں اٹھارہ سپاہیوں کو زخمی کر کے ڈال دیا۔‘‘(29)

اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جس مجاہدانہ عزیمت کے ساتھ مستقبل کی پروا کیے بغیر مسلمانوں اور بطورِ خاص علما نے حصہ لیا اور مجاہدانہ کارنامے انجام دیے، اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے عتاب کے شکار یہی علما بنے، تختۂ دار پر انھیں کو چڑھایا گیا، جیل کی سلاخوں کے پیچھے انھیں کو رکھا گیا۔ قرآن کریم کے بے شمار نسخے جلائے گئے، اور تمام علما کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ایک انگریز مورخ ایڈورڈ ٹامسن اپنی یادداشت میں لکھتا ہے:

’’1884ء سے 1887ء تک انگریزوں نے علما کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ تین سال ہندستان کی تاریخ کے بڑے الم ناک سال ہیں۔ ان تین سالوں میں انگریزوں نے 14/ہزار علما کو تختۂ دار پر لٹکا

دیا۔ ٹامسن کہتا ہے، دلی کے چاندنی چوک سے خیبر تک کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر علما کی گردنیں نہ لٹکی ہوں۔ علما کے جسم کو تانبے سے داغا گیا، علما کو سور کی کھال میں لپیٹ کر جلتے ہوئے تندور میں ڈالا گیا، علما کو ہاتھیوں پر کھڑا کر کے درختوں سے باندھ کر ہاتھیوں کو نیچے سے چلا دیا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ جب میں دلی کے اپنے خیمے میں گیا تو مجھے مردار کی بدبو محسوس ہوئی۔ میں خیمے کے پیچھے چلا گیا تو دیکھتا ہوں کہ آگ سے انگارے دہک رہے ہیں اور چالیس علما کے کپڑے اتار کر انھیں انگاروں پر ڈال دیا گیا ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے چالیس اور علما کو بلایا گیا۔ میرے سامنے ان کے کپڑے اتارے گئے، انگریزوں نے کہا، مولویو، جس طرح ان چالیس کو پکایا گیا ہے اسی طرح تمھیں بھی پکایا جائے گا۔ تم میں صرف ایک آدمی یہ کہہ دے کہ 1857ء کی جنگ آزادی میں ہم شریک نہیں تھے، ہم تمھیں ابھی چھوڑ دیتے ہیں۔ ٹامسن کہتا ہے کہ، مجھے پیدا کرنے والے کی قسم کوئی عالم ان میں ایسا نہیں تھا، سارے کے سارے آگ میں پک گئے، مگر انگریزوں کے سامنے کسی نے بھی گردن نہ جھکائی۔،،(30)

اس قربانی کے باوجود آج جب کہ جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ منائی جارہی ہے۔ ان علما کے کارناموں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، جس سے جنگ آزادی کی پوری تاریخ مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ اربابِ حل وعقد اور مدبرانِ حکومت کو چاہیے کہ اس طرح مجاہدینِ آزادی کی کاوشوں کو پردۂ خمول میں نہ ڈالیں کہ علما کی نسل موجودہ دور میں جنگ آزادی کی تاریخ پڑھنے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو جائے ۔

مرے لہو کی دھار سے وطن کی بیڑیاں کٹیں
مگر کتابِ حریت میں میری داستاں نہیں
ورق ورق الٹ چکا، تلاش میں کمی نہ کی
مرے لہو کے رنگ کا کہیں کوئی نشاں نہیں

ماخذ

(1) مرقع دہلی، نواب ذوالقدر، درگاہ قلی خاں، ص:2 حیدر آباد

(2) راشٹریہ سہارا دہلی کا جنگ آزادی نمبر، ص:9 دہلی 15/اگست 2006ء

(3) بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، رئیس احمد جعفری، ص:600 کتاب منزل، کشمیری بازار، لاہور۔

(4) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، مفتی انتظام اللہ شہابی، ص:41، اردو بازار، دہلی

(5) نفس مصدر، ص:51

(6) بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، ص:51

(7) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص:57

(8) بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، ص:48

(9) نفس مصدر، ص:854

(10) فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، حکیم محمود احمد برکاتی، ص:64 کراچی 1975ء

(11) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص:60-61

(12) بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، ص:315

(13) ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص:68

(14) 1857ء کی پہلی جنگ آزادی: واقعات وحقائق، میاں محمد شفیع، ص:216 مکتبہ جدید لاہور

(15) تاریخ انگلیسیہ، ص:706

(16) جنگ آزادی اور علماے دیوبند، اخلاق حسین قاسمی، ص: 13 مکتبہ الیوم، دہلی

(17) فتاویٰ عزیزیہ، جلد اول، ص:11 مطبع مجتبائی، دہلی

(18) سن ستاون میری نظر میں، ناصر کاظمی، انتظار حسین، ص:263

(19) الاقتصادفی مسائل الجہاد، محمد حسین بٹالوی، ص:50 وکٹوریہ پریس، لاہور

(20) تواریخ عجیبہ، منشی محمد جعفر تھانیسر، ص:73 مطبوعہ فاروقی، دہلی

(21) بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، ص:357

(22) فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص:6

(23) انوار رضا، ص:,641 شرکت حنفیہ لمیٹڈ لاہور 1397ھ

(24) تاریخ بغاوت ہند، کنہیا لال کپور، ص:55، نول کشور، لکھنؤ

(25) داستانِ غدر، ص:62 بحوالہ پاک و ہند میں پہلی جنگ آزادی، غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور۔

(26) باغی ہندوستان، ص:51 (27) تاریخ انگلیسیہ، ص:719

(28) سن ستاون میری نظر میں، ص:66

(29) انوار رضا، (مضمون امام احمد رضا اور جنگ آزادی) ص:,432

(30) ڈائری ایڈورڈ ٹامسن، بحوالہ راشٹریہ سہارا جنگ آزادی نمبر، ص:43 اگست 2006

☆☆☆☆☆

بزمِ دانش | فکر و نظر | مستقل کالم

مسلم خواتین اور سیاسی قیادت

"**بزمِ دانش**" میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو آواز دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

ستمبر ۲۰۱۰ء کا عنوان — کیا بیت المقدس کو پھر کسی سلطان ایوبی کا انتظار ہے؟

اکتوبر ۲۰۱۰ء کا عنوان — ملحق مدارس میں رشوت کی گرم بازاری — علاج کیا ہے؟

سیاسی اکھاڑے میں کود کر عورت اپنی نسوانیت کی حفاظت نہیں کر سکتی

از: محمد ساجد رضا مصباحی، جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں میں یہ بھی بیان فرمایا تھا کہ قربِ قیامت عورتیں مردوں پر حکومت کریں گی، ہمارا ایمان و یقین ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صادق مصدوق ہیں، آپ کا فرمایا ہوا ایک ایک لفظ حرف بہ حرف صادق ہوگا اور آپ کی ایک ایک پیشین گوئی صحیح ثابت ہوگی۔ آج ہم جب عالمی سیاسی منظر نامے پر نظر ڈالتے ہیں اور سیاست و قیادت میں خواتین کی حصے داری کا جائزہ لیتے ہیں تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر ہمارا ایمان ویقین اور کامل ہو جاتا ہے۔

خواتین کی سیاسی قیادت کا مسئلہ مذہبی دانش وران کے درمیان ایک عرصے سے موضوعِ بحث ہے اور مختلف ادیان و مذاہب کے نمائندوں نے اس سلسلے میں بھانت بھانت کے افکار و نظریات پیش کیے ہیں۔ حمایت و مخالفت کی شاہ راہوں سے گزرتا ہوا یہ مسئلہ ایک بار پھر موضوعِ سخن ہے۔ انسانی مساوات اور خواتین کی آزادی کے علم بردار نام نہاد مفکرین نتائج و عواقب سے بے پرواصنفِ نازک کی فطری صلاحیتوں سے بے خبر، عورتوں کی امامت و قیادت کی حمایت میں عقل و خرد سے ماورا بڑی بے ہنگم دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ ان فطرت ناآشنا مفکرین کو اس سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر کا مطالعہ کر کے اپنی فکر و نظر کا قبلہ درست کر لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت انسانوں کو دو صنفوں میں تقسیم فرما کر ان کا دائرہ کار اور حدودِ عمل متعین فرما دیا ہے اور اسی کے مطابق ان کے اندر صلاحیتیں بھی ودیعت فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ ان حدود کی پامالی دراصل قانونِ فطرت سے بغاوت ہے، جو قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ اور ذلت و رسوائی کا سامان ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کی فطرت کے مطابق دونوں کی ذمے داریوں میں فرق کیا ہے، امامت و قیادت کے لیے مردوں کا انتخاب فرمایا ہے جب کہ عورتوں کو ان کی صنفی نزاکت، نقصانِ عقل اور طبعی نرمی کی وجہ سے خانگی امور، بچوں کی تربیت و پرورش اور درونِ خانہ کی دوسری ذمہ داریاں سپرد کی ہیں۔ ان دونوں صنفوں کے درمیان یہ تقسیم عمل دونوں کی جسمانی ساخت، مزاج وطبیعت، قوتِ عمل اور تقاضاے فطرت کے عین مطابق ہے۔

عفت مآب خواتین کی سیاسی سرگرمیوں میں حصے داری یا سیاسی قیادت مذہبی نقطۂ نگاہ سے قطع نظر ان کی فطری و صنفی تقاضوں کے بھی خلاف ہے۔ سیاست کی پگڈنڈی بڑی پرپیچ اور دشوار گزار ہوا کرتی ہے جن پر چل کر منزل تک رسائی کے لیے قوتِ عمل، فکر و تدبر، حد درجہ

دانائی وبینائی کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے، جن سے عورتیں فطری طور پر عاری ہوا کرتی ہیں۔ ایک جماعت یا ریاست و مملکت کی قیادت کے لیے قائد کے اندر جو صلاحیتیں درکار ہیں، ایک عورت انھیں پورا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ جذبات کی شدت، عجلت و بے صبری، فطری شرم وحیا، قوتِ فیصلہ کا فقدان، مخصوص طبعی میلانات، صنفی عوارضات یہ وہ امور ہیں جن کے سبب صنف نازک کو امامت و قیادت کے عہدۂ گراں بار کے لائق نہیں قرار دیا جاسکتا۔

تاریخ کے کسی طالب علم کے ذہن میں یہ سوال گردش کرسکتا ہے کہ تاریخ عالم میں بعض ایسی خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے جنھوں نے اپنی غیر معمولی ذہانت، حیرت انگیز فکر و تدبر، بے پناہ قوت فکر ونظر اور حکومت وسلطنت کی حد درجہ صلاحیت سے اپنی سلطنت کو ترقی کے اوجِ ثریا پر پہنچا کر اپنا نام روشن کیا اور ہمیشہ کے لیے تاریخ کا ایک اٹوٹ حصہ بن گئیں، پھر صنفِ نازک کو حکومت وقیادت کی مطلوبہ صلاحتیوں سے عاری قرار دے کر انھیں حکومت وقیادت کے حق سے محروم کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟ دراصل ایسے واقعات استثنائی اور جزوی ہوا کرتے ہیں، جن سے عمومی نقطۂ نظر پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

عورتوں کی آزادی کی وکالت کرنے والے اور گلا پھاڑ پھاڑ کر مساوات کا نعرہ لگانے والے اہل مغرب عورتوں کے ساتھ کتنی ہمدردی رکھتے ہیں اور ان کی یہ جدوجہد عورتوں کے ساتھ اخلاص پر مبنی ہے یا محض اسلام دشمنی پر اس کا اندازہ خود ان کے کردار وعمل سے لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اہل مغرب اپنے اس نظریے پر خود عمل پیرا نہیں۔ عورتوں کی آزادی کے سب سے بڑے ٹھیکیدار امریکہ ہی کو لیجیے، جو آج پوری دنیا میں انسانی مساوات کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے، لیکن آج تک کوئی خوش نصیب عورت یہاں کی صدر نہیں بن سکی۔

اسلام جو دین فطرت ہے اور ہر موڑ پر اعتدال کا درس دیتا ہے، اس سلسلے میں بڑا واضح نظریہ رکھتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو گھر کی زینت قرار دیا ہے اور اس کی فطری صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر اس کا دائرۂ عمل متعین فرمادیا ہے۔ اسلام نے عورتوں کی عزت وعصمت کی حفاظت کے لیے انھیں پردے کا حکم دیا اور بے حجاب غیر محرم کے سامنے جانے کو شریعت کی نگاہ میں شدید ترین جرم قرار دیا، ظاہر ہے شریعتِ مطہرہ کے ان فرامین کی پابندی ایک ایسی عورت ہرگز نہیں کرسکتی جس کے سر میں سیاست کا بھوت سوار ہو یا سیاسی قیادت کا شوق چڑھا ہو۔ بلکہ صنف نازک کا سیاسی میدان میں قدم رکھنا اور بھی طرح طرح کی دوسری قباحتوں کے دروازے کھولے گا۔ غیر مردوں سے اختلاط، بے حجابی و بے پردگی اس میدان کی عام سی بات ہے۔ سیاست مقابلے کا میدان ہوا کرتا ہے، جہاں ہر شخص اپنے مد مقابل کو مات دینے کے لیے ہر طرح کی شرعی وغیر شرعی کوششیں کرنے سے نہیں چوکتا۔ اپنی تمام تر شرعی ومذہبی ذمے داریوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے ایسے میں ایک عورت اپنی نسوانیت کی حفاظت کس طرح کرسکتی ہے، اسلامی حدود میں رہ کر اپنی سیاسی ذمہ داریوں کو کس طرح انجام دے سکتی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے ایسے لوگوں پر جو اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہو کر عورتوں کی سیاسی حصے داری کی بات کرتے ہیں۔ اسلام کے اس نظریے کو عورتوں کے حقوق کی پامالی قرار دینا سراسر حماقت پر مبنی ہے۔ اسلام کا یہ حکم دراصل عورتوں کی نسوانیت کی حفاظت اور ان کے عزت و وقار کے تحفظ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

اسلام کا نام لے کر عورت کو سماجی خدمات سے محروم نہیں رکھنا چاہیے

از: مہتاب پیامی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور Payamee@gmail.com

سچر کمیٹی اور لبراہان کمیشن کی سفارشات پر عمل کی مانگ کو لے کر جو ہنگامہ آرائیاں ہوئیں وہ ہماری ملکی سرکار کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں تھیں۔ اب ہماری سرکار کوئی انصاف پسند سرکار تو ہے نہیں کہ وہ مسلمانوں کی زبوں حالی کو محسوس کرتے ہوئے ان کے لیے عملی اقدامات کرے۔ گزشتہ تمام کمیشنوں کی طرح یہ کمیشن بھی دراصل مسلمانوں کو کھلونے دے کر بہلانے کی ایک کوشش سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کمیشنوں کی سفارشات پر عمل درآمد کو التوا میں ڈال کر پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا میں "اقلیتی تعلیمی بل" یا "اقلیتی روزگار بل" پاس کرنے کے بجائے "خواتین ریزرویشن بل" پاس ہونے کا مقصد تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اور میڈیا دونوں کی توجہ بنیادی مسائل سے

ہٹا کر دوسرے غیر اہم مسائل کی طرف مبذول کردی جائے اور ہوا بھی یہی۔ آج میڈیا میں کہیں ان دونوں کمیشنوں اور ان کی سفارشات کا ذکر نہیں ہوتا، ذکر ہوتا ہے تو "خواتین ریزرویشن" بل کا۔ اور جب تک یہ ہنگامہ فرو ہوگا تب تک مذکورہ دونوں سفارشات سرد خانے کی نذر ہوچکی ہوں گی۔

پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں خواتین ریزرویشن بل پاس ہونے کے بعد کچھ عجیب طرح کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کچھ ایسے لوگوں نے بھی اپنی ناراضگی ظاہر کی ہے، جن سے اس کی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ انھوں نے اس کے لیے اسلام جیسے حق پسند اور مساوات کے حمایتی مذہب کا نہ صرف سہارا لیا، بلکہ اس کے مخالفین کو، جو پہلے سے ہی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اس کے خلاف زہر اگلنے کا ایک اور موقع فراہم کردیا ہے۔

حقیقت میں اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور پر نظر ڈالیں تو خود پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے زندگی میں خواتین کو وہ بہت سے اختیارات حاصل تھے، جن کی مانگ آج بھی خواتین کے لیے کی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر نبی اکرم ﷺ کے دور میں آزادی اور خود مختاری کی علامت تو حضرت خدیجہ ہیں، جو مکہ میں امپورٹ ایکسپورٹ کے ایک بڑے کاروبار کی مالک تھیں، حضرت محمد ﷺ سے نکاح کے بعد بھی ان پر کوئی روک نہیں لگائی گئی۔ اسی طرح تعلیم کے میدان میں حضرت عائشہ آج بھی ہمارے لیے مثال ہیں۔ اسلامی شریعت کا ایک تہائی حصہ انھیں کی بدولت لکھا گیا ہے۔ اسی طرح سیاسی سطح پر خود آپ کی نواسی، حضرت علی اور فاطمہ کی بیٹی اور امام حسن اور امام حسین کی بہن حضرت زینب کا عظیم کردار کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ انھوں نے کربلا کے میدان میں لٹے پٹے قافلہ کی نہ صرف قیادت کی، بلکہ سیریا کے شاہی دربار میں سچ اور اسلامی وقار کے لیے ایسی تقریر کی، جس کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے:

عظمت مظلوم کو ظالم سے منوا کر رہی
شام کی تاریکیوں میں نور پھیلا کر رہی

اسی طرح ایسی ہی ایک اور مثال ہے حضرت رابعہ بصری کی، ان کے جدید خیالات اور عظمت کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ جنگ کے میدان سے لے کر ہدایت، قیادت اور آزمائش کے سخت لمحات تک عورتوں کا کردار کسی طرح مردوں سے کم نہیں رہا ہے۔

جدید دور کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو دور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوستان میں ہی رضیہ سلطان، چاند بی بی، زیب النسا، جہاں آرا اور ان سے آگے بڑھ کر بھوپال ریاست میں ایک نہیں، کئی خواتین اقتدار میں رہی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اپنے دور میں تعلیم، خاص طور سے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے شان دار ریکارڈ قائم کیے بلکہ اپنے دور اقتدار کو بھی دوسروں کے لیے مثال بنادیا۔ گزشتہ صدی میں بھی غیر ملکی قبضوں سے اپنے اپنے ممالک کو آزاد کرانے کے لیے مسلم خواتین نے جس جرأت کا مظاہرہ کیا، وہ ہماری تاریخ کے سنہرے باب ہیں۔ ترکی کی خالدہ ادیب خانم، طرابلس کی فاطمہ، الجزائر کی جمیلہ بوپاشا کو کس طرح فراموش کیا جاسکتا ہے۔ ہماری جنگ آزادی گواہ ہے کہ جب اودھ کے تاج دار واجد علی شاہ نے انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے تو وہ بیگم حضرت محل ہی تھیں، جن کی غیرت نے صاحب اقتدار لوگوں سے ہار نہیں مانی۔ اس کے علاوہ بیسویں صدی کے شروع میں علی برادران کی ماں بی اماں نے جس طرح عوامی بیداری کے لیے جلسوں، جلوسوں میں حصہ لیا، بیگم حسرت موہانی نے جنگ آزادی اور تحریک میں جو قربانیاں دیں، ان پر اس وقت کے کسی عالم دین نے کوئی روک نہیں لگائی۔

آزادی کے بعد بھی جدید ہندوستان میں بہت کم ہی سہی، لیکن اقتدار، انصاف، اور مختلف شعبوں میں جب بھی موقع ملا، خواتین نے اپنی موجودگی درج کرائی ہے۔ ہندوستان میں سپریم کورٹ کی پہلی خاتون جج ہونے کا شرف ایک مسلم خاتون جج فاطمہ بی بی کے حصہ میں آیا۔ بیگم قدسیہ اعجاز رسول، میمونہ، سلطان، محسنہ قدوائی، انورہ تیمور، بیگم حمیدہ حبیب اللہ، بیگم شیخ محمد عبد اللہ، محبوبہ مفتی، ڈاکٹر نجمہ ہبت اللہ اور ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید ان چند اہم ناموں میں سے ہیں، جن سے آپ ذاتی اور مختلف امور پر تو اختلاف رائے رکھ سکتے ہیں، لیکن انھیں نظر انداز نہیں کرسکتے۔

جہاں تک خواتین کو شریعت کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارنے اور کام کرنے کی ہدایت کی بات ہے تو اس سے ہم بھی سو فیصد متفق ہیں، لیکن اتنا ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ شریعت جتنی خواتین کے لیے ہے، اتنی ہی مردوں کے لیے بھی ہے۔ اس لیے مسلمان مرد ہوں یا خواتین، اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو دونوں کو اس دائرے میں رہنا چاہیے۔ لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، اسلامی شریعت مردوں کی طرح خواتین کو بھی شرم وحیا وعزت و وقار کو برقرار رکھتے ہوئے ہر طرح کی جائز آزادی عطا کرتی ہے۔

خواتین کو ان کے اختیارات سے محروم کرنے کا رویہ نہ صرف مسلمانوں کے لیے خطرناک ہے، بلکہ یہ اس جد وجہد کو بھی نقصان پہنچائے گا اور اس مقدمہ کو بھی کم زور کرے گا، جس کے تحت خواتین ریزرویشن بل میں مسلم خواتین کے لیے حصہ داری کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

اس سلسلے میں چند باتیں ہم مزید عرض کرنا چاہیں گے۔ سماجی زندگی میں مرد عورت کا رشتہ سب سے اہم ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ رشتہ انسانی تعلق کی بنیاد ہے اور اس میں معمولی سی غلطی بھی سماجی ڈھانچہ کو بد نما اور داغ دار بنا سکتی ہے۔ ہماری تاریخ عورتوں پر ہونے والے مظالم اور پابندیوں کے داغ دار مناظر سے بھری پڑی ہے۔ کہیں تو عورت کو، جو ماں کی حیثیت سے انسان کو جنم دیتی ہے اور کہیں بیوی کی حیثیت سے جو زندگی کے ہر سکھ دکھ میں مرد کی دوست رہتی ہے، نوکرانی کے درجہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ کہیں اسے فروخت کیا جاتا تو کہیں خریدا جاتا ہے اور ساتھ ساتھ اسے گناہ اور ذلت کی مورت بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی شخصیت کو ابھرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ دوسری جانب ہمیں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ عورت کو اعلیٰ مقام دیا جا رہا ہے، اسے اوپر اٹھایا جا رہا ہے، سماج میں اسے عزت دی جا رہی ہے اور وہ بھی اس انداز سے کہ اس کے ساتھ ساتھ اسے بد کردار ثابت کر کے بے عزت بھی کیا جا رہا ہے۔ وہ مردوں کی خواہشات کا کھلونا بنائی جاتی ہے۔

مسلم عورت دین اور دنیا میں اپنی عقل وخرد اور روحانی طاقت سے عزت اور ترقی کی اس اونچائی پر پہنچ سکتی ہے، جہاں تک مرد پہنچا ہو، اور اس کا عورت ہونا کسی بھی طرح سماج میں اس کے مرتبہ، اس کی حیثیت اور اس کے مقام کو کم نہیں کرتا۔ اسلام نے جو اختیارات دیے ہیں، ان کے تحت سب سے پہلا اختیار اقتصادی ہے۔ اسلام عورت کو جائداد میں بہت بڑا حق دیتا ہے۔ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے اسے جائداد میں حصہ ملتا ہے۔ ان سب کے علاوہ جو کچھ اسے ملتا ہے، اس میں دخل دینے کا اختیار نہ تو اس کے باپ کو حاصل ہے اور نہ ہی اس کے شوہر کو۔ اس کے علاوہ وہ کسی کاروبار میں روپیہ لگا کر یا خود محنت کر کے کچھ کمائے تو اس کی مالک بھی صرف وہی ہے۔ اس طرح اسلام نے عورت کی اقتصادی حیثیت اتنی مضبوط کر دی ہے کہ کہیں کہیں تو وہ مرد سے بہتر حالات میں ہوتی ہے۔

عورتوں کو دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے، بلکہ اسے اتنا ضروری قرار دیا گیا ہے، جتنا مردوں کی تعلیم اور تربیت۔ یہی نہیں، بلکہ اسلام میں عورتوں کو بہتر سے بہتر معاشرتی اختیار حاصل ہیں۔ شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے معاشرتی ذمہ داریوں میں وہ جس طرح چاہے، حصہ لے سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول ﷺ کے دور اقتدار میں چاہے تہذیبی، سماجی سرگرمیاں ہوں، عام لوگوں کے درمیان کچھ کرنا ہو یا عورتوں کی خاص تہذیبی مجلس ہو، سماجی کاموں میں عورتوں کی خدمات کی ضرورت ہو یا جنگ کے بعد زخمیوں کی دیکھ ریکھ کا معاملہ ہو، ہر جگہ ہمیں مسلم عورتیں اپنا کام بخوبی ادا کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اسلام چوں کہ ایک دین فطری ہے اور عورت میں پیدائش سے ہی ماں بننے کی خواہش پنہاں ہوتی ہے۔ بچے کو جنم دینا، اس کی دیکھ بھال کرنا، ان کی اچھی طرح پرورش کرنا وغیرہ سب عورت کی فطرت میں ہے۔ بچے کے مستقبل کو سنوارنا، اس کے مسائل حل کرنا۔ ان تمام ذمہ داریوں کو عورت بڑی خوبی سے ادا کرتی ہے۔ لیکن اسلام مرد اور عورت دونوں سے چاہتا ہے کہ دونوں گاڑی کے دو پہیوں کی طرح اپنے کاموں کو بخوبی پورا کریں۔ تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اسلام نے کہیں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی، بلکہ ایک عورت جب ماں کی شکل میں ۴۰-۴۵ سال کی عمر کو پہنچتی ہے تو اس کے پاس وقت بھی ہوتا ہے، صحت بھی اچھی ہوتی ہے اور اس کے پاس تجربہ بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے اندر سماج کی تعمیر اور تشکیل کا داعیہ بھی ہوتا ہے۔ یہ کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہوگا کہ اسلام کا نام لے کر اسے یہ کردار ادا کرنے سے محروم رکھا جائے۔ ☆☆☆

نقد و نظر

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہے

نام کتاب	:	مرقع انوار
مرتب	:	شاہ فصیح الدین نظامی حیدر آباد
صفحات	:	(۱۳۷۶)
قیمت	:	۸۰۰/ روپے
سن اشاعت	:	۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء
ناشر	:	مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ حیدر آباد
مبصر	:	امتیاز احمد مصباحی

پیش نظر کتاب انیسویں صدی عیسوی کے نام ور عالم، صوفی، ادیب وشاعر، اتالیق سلاطین آصفیہ، شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی نور اللہ مرقدہ کی تاریخ ساز شخصیت اور عہد ساز خدمات کا دل آویز سہ لسانی مصور یادگار ضخیم تذکرہ ہے۔ اس کتاب کو شاہ فصیح الدین نظامی ادارۂ تصنیف و تالیف اسلامی افکار سیریز حیدر آباد نے انتہائی دیدہ ریزی اور سلیقہ مندی سے ترتیب دیا ہے۔ تیرہ ابواب کے تحت ۱۸۳ر مضامین و مقالات اور مناقب شامل کتاب ہیں، نیز آپ کی تصنیفات اور آثار وباقیات کے عکوس بھی اس کتاب میں شامل کر دیے گئے ہیں جو اس کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ خانوادۂ شیخ الاسلام اور ان کے مشائخ طریقت کے شجرات بھی شامل اشاعت ہیں۔

اس کتاب میں موجودہ ابواب کی تفصیل اس طرح ہے:

باب اول: شیخ الاسلام شخصیت، خاندانی پس منظر۔ باب دوم: شیخ الاسلام کی اصلاحی و تجدیدی خدمات۔ باب سوم: شیخ الاسلام کی علمی وادبی خدمات۔ باب چہارم: شیخ الاسلام بحیثیت صوفی کامل۔ باب پنجم: شیخ الاسلام کے مشہور تلامذہ وخلفاے طریقت۔ باب ششم: شیخ الاسلام کی متاعِ عزیز، جامعہ نظامیہ۔ باب ہفتم: شیخ الاسلام، جامعہ نظامیہ اور شاہی فرامین۔ باب ہشتم: شیخ اسلام کے افکار و نظریات۔ باب نہم: شیخ الاسلام کا ذوقِ شعر وسخن۔ باب دہم: شیخ الاسلام کے معاصر عالی علما ومشائخ کرام۔ باب یازدہم: شیخ الاسلام مشاہیر عالم کی نظر میں۔ باب دوازدہم: (عربی) شیخ الاسلام و آثارہ العلمیة والدینیة والدعویة والثقافیة۔ باب سیزدہم: (انگریزی) Reform of the melle.........

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ آگاہی ہوتی ہے کہ شیخ الاسلام محمد انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ جنوبی ہند میں خطۂ دکن حیدر آباد کی ایک ممتاز و بے مثال شخصیت کا نام ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، بشمول کہ اپنے والدِ گرامی حضرت قاضی شجاع الدین فاروقی کے آپ نے وقت کے جید اور باوقار علما سے تحصیل علم کے بعد جولاں گاہ عمل میں قدم رکھا اور اپنے قول وفعل اور اخلاق و کردار کے ذریعہ اسلامی علوم وفنون اور اس کی بے مثال تعلیمات و ہدایات کی تشہیر کا کارنامہ بحسن وخوبی انجام دیا۔ آپ کی زندگی کے اکثر اوقات خدمتِ دینِ متین کی نذر تھے۔ آپ ایک جید عالم دین، نکتہ رس مفتی، عظیم مفسر، متبحر محدث، عظیم مصنف، بلند پایہ صوفی، عمدہ خطیب، ماہر استاذ، قادر الکلام شاعر اور اچھے ادیب تھے۔ آپ اپنے علمی جاہ وجلال اور رعب ودبدبہ کے باعث سلطنتِ آصفیہ کے آخری تاج دار آصف جاہ سادس، نواب میر محمود علی خاں بہادر اور آصف جاہ سابع، نواب میر عثمان علی خاں بہادر اور ان کے فرزندوں کے اتالیق مقرر ہوئے، اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ کے علوِ مرتبت کے باعث نواب میر عثمان علی خاں بہادر نے اپنی تخت نشینی کے بعد آپ کو ناظم امور مذہبی اور صدر الصدور مقرر کیا جس کی وجہ سے آپ کی دینی خدمات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ سلطنت آصفیہ کے تاج داروں کی قربت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے اشاعت علم دین کی غرض سے کئی مدارس ومکاتب قائم فرمائے اور بہت سے دینی مدارس ومساجد کے لیے سرکاری امداد جاری کروائی۔ خاص طور پر جامعہ نظامیہ حیدر آباد آپ کی تعمیری خدمت کا شاہ کار ہے جس نے بہت سے اصحابِ فضل وکمال اور اربابِ فکر ودانش پیدا کیے۔

آپ ایک اچھے قلم کار تھے، علم وتحقیق کے بلند معیار پر فائز تھے، مختلف عناوین پر آپ کے نوکِ قلم سے نکلی ہوئی درجنوں کتابیں اور بلند پایہ کتابوں پر آپ کے نادر ونایاب حاشیے، آپ کی علمی تحقیقات، فقہی معلومات، ندرتِ خیال، رفعتِ فکر اور شگفتگی بیان کی بین ثبوت ہیں۔

قادیانیت، لادینیت، وہابیت، مغرب زدگی اور مذہبی آزادی اور شانِ خدا اور سول میں گستاخی کرنے والوں کے خلاف آپ کا قلمی وفکری جہاد آخری سانس تک جاری رہا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختلف جہتوں سے پردہ اٹھتا ہے اور جس جہت سے آپ کو دیکھا جائے اس میں بے مثال نظر آتے ہیں۔ آپ کی ایک لاجواب کتاب انوار احمدی کی تلخیص وتسہیل کا عظیم کارنامہ رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے انجام دیا ہے اور وہ کتاب مکتبہ جام نور دہلی سے شائع بھی ہو چکی ہے۔ اس کے مقدمے میں آپ رقم طراز ہیں:

انوارِ احمدی کا مطالعہ کر کے میں حضرت فاضل مصنف کے تبحر علمی، وسعتِ مطالعہ، ذہنی استحضار، قوتِ تحقیق، ذہانت ونکتہ رسی اور بالخصوص ان کے جذبۂ حبِ رسول اور حمایت مذہب اہل سنت کی قابلِ قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا، جی چاہتا ہے کہ نوکِ قلم کو آنکھوں سے لگالیں، ہونٹوں سے چومیں اور دل میں اتار لیں۔

حضرت مصنف نے علم وحکمت، عشق وعرفان کے ایسے قیمتی جواہرات بکھیرے ہیں کہ ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں، بحث کے اتنے نئے گوشے پیدا کیے ہیں کہ ان کے ذہنی تجسس اور فکر کی نکتہ آفرینی پر حیرت ہوتی ہے۔ حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمۂ کوثر کی لہراتی ہوئی موج بن گئی ہے۔

(انوارِ احمدی، مکتبہ جام نور دہلی، ص: ۲۸)

یہ کتاب صرف علامہ انوار اللہ فاروقی کے احوال کا احاطہ ہی نہیں بلکہ اس میں بہت سے اربابِ علم ودانش اور اصحابِ فکر وبصیرت کا حسین تذکرہ بھی ہے جن سے شیخ الاسلام کا کسی بھی طرح تعلق خاطر رہا ہو۔ اس کتاب کے مطالعہ سے حیدر آباد کی تمدنی، تہذیبی، علمی، ادبی اور دینیہ تاریخ سے یک گونہ واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

مرقع انوار اربابِ علم وتحقیق اور دانش ورانِ قوم وملت کے مقالات کا حسین گل دستہ ہے، چوں کہ زیادہ تر مقالہ نگار حضرات حیدر آباد اور اس کے اطراف وجوانب کے علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ہمارے اور ان کے درمیان کچھ اجنبیت سی معلوم ہوتی ہے۔ مگر ان کے مقالات عنوان کے اکثر گوشوں کا احاطہ کرتے ہیں اور مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، دینی اور ادبی اور سماجی خدمات کو متعارف کرانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں اردو زبان کے علاوہ عربی اور انگریزی زبان میں بھی مقالات ومضامین شامل ہیں۔ اس طرح سے وہ حضرات جو اردو زبان سے خاص شغف نہیں رکھتے مگر انگریزی یا عربی زبان وادب سے واقف ہیں ان کے لیے بھی مولانا انوار اللہ انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے حیات وخدمات سے متعارف ہونے کا موقع فراہم ہوگا۔ اس کتاب کے مرتب نے شیخ الاسلام کے افکار واحوال کو جمع کر کے بہت ہی اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ شیخ الاسلام کی عبقری شخصیت اتنی گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے کہ ان پر پی. ایچ. ڈی. کی جا سکتی ہے۔ زبان وبیان کے اعتبار سے کتاب عمدہ ہے، کتابت صاف ستھری ہے، کاغذ اچھا ہے، صفحات کی مناسبت سے قیمت کوئی زیادہ نہیں ہے، مگر بعض مقالات میں الفاظ کی تکرار اور گنجلک عبارتیں قاری کے انہماک میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ کچھ پروف ریڈنگ کی خامیاں بھی باقی رہ گئی ہیں جو صحت کی متقاضی ہیں۔ بہر حال یہ مولانا انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا جامع تذکرہ ہے جسے زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچانے کی ضرورت ہے۔

اس کتاب کے ٹائٹل کی پشت پر اس کتاب کا تعارف بھی ہے جس کے تحت صاحبِ تعارف کا نام درج نہیں ہے۔ میں اس کے اقتباس پر اپنا مختصر تبصرہ ختم کرتا ہوں۔

"یہ (کتاب) تذکرہ ہے ایک مجدد اسلام کا، یہ مرقع ہے ایک مرد باخدا کا، یہ حالات ہیں ایک عالم باعمل کے، یہ شب وروز ہیں ایک عارف باللہ کے، یہ شام وسحر ہیں ایک مصلح امت کے، یہ داستان ہے ایک مجاہد کی، یہ اذان ہے ایک داعی کی، یہ صدا ہے ایک دلِ دردمند کی، یہ ندا ہے ایک فکرِ ارجمند کی، یہ تذکرہ الفاظ کی مالا نہیں بلکہ ان بلند وبالا ستونوں میں سے ایک ہے جن پر عظیم الشان برصغیر کی علمی، فکری و تاریخی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اردو، عربی اور انگریزی کی لسانی وسعت اور تصاویر کے امتزاج نے اس کے حسن سے کہیں زیادہ اس کی افادیت و اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے۔ دیدۂ ذوق ودستِ شوق اس کے مشاہدے و مطالعہ سے بھرپور استفادہ کرے گا۔ مذہبی شبیہ میں یہ ادبی کاوش اپنے اندر عصریت وانفرادیت کی تصویر ناطق ہے۔

☆☆☆

منظومات

آگھی درِ آگھی

رسائی کور بینوں کی متاعِ ظاہری تک ہے
نگاہِ اہلِ ایماں آگہی در آگہی تک ہے

محمد کے قدم تو ہیں حدِ امکاں سے بھی آگے
مگر معراجِ انسانی محمد کی گلی تک ہے

جو صدیوں پیش تر مہرِ ہدایت بن کے چمکا تھا
جہاں میں ہر طرف اس کی درخشانی ابھی تک ہے

بنیں جو حشر میں سامانِ راحت کام وہ کیجے
بہارِ گلشنِ ہستی کی رونق دو گھڑی تک ہے

وہی اول، وہی آخر انھیں کے نور کا جلوہ
ازل کی صبح سے شامِ ابد کی زندگی تک ہے

وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہر جگہ اپنے غلاموں پر
شہِ ابرار کی شفقت حدودِ آخری تک ہے

وہی ماویٰ، وہی ملجا وہی سلطانِ عالم ہیں
انھیں کے در پہ سر اپنا جھکائے قیصری تک ہے

خدا کا شکر ہے الحاد کے اس دور میں گوہرؔ
مری فکرِ حسیں نعتِ رسولِ ہاشمی تک ہے

محمد خلیل گوہرؔ مبارکپوری

بزمِ جنت مِرے حضور کی ھے

آج بعثت مرے حضور کی ہے
شان وشوکت مرے حضور کی ہے

دیگر امت پہ برتری ہے جسے
ایسی امت مرے حضور کی ہے

جو مرے پاس ہے سب اُن کا ہے
ہر عنایت مرے حضور کی ہے

خوفِ دوزخ ہو کیسے عاصی کو
جب شفاعت مرے حضور کی ہے

پیٹ پر ہیں بندھے ہوئے پتھر
یہ قناعت مرے حضور کی ہے

کیوں نہ ہوں شادماں پیمبر سب
جب امامت مرے حضور کی ہے

حور وغلماں درود پڑھتے ہیں
خوب شہرت مرے حضور کی ہے

جو یتیمی میں کر رہے ہیں بسر
ان پہ شفقت مرے حضور کی ہے

سرنگوں ہیں حکومتیں ساری
وہ حکومت مرے حضور کی ہے

اس میں جائیں گے عاشقانِ حضور
بزمِ جنت مرے حضور کی ہے

قابَ قوسین خود گواہ ہوا
رب سے قربت مرے حضور کی ہے

سوئے طیبہ فروغِ دیں کے لیے
دیکھو ہجرت مرے حضور کی ہے

کیوں نہ ظلمت کے معرکے سر ہوں
جب قیادت مرے حضور کی ہے

جس پہ نازاں ہے خود سخاوت بھی
وہ سخاوت مرے حضور کی ہے

حشر کے دن جو سرخرو ہوگی
وہ جماعت مرے حضور کی ہے

حرف آئے نہ تا ابد جس پر
ایسی حرمت مرے حضور کی ہے

کہکشاں خاکِ پا سے بھی کم تر
کیا ہی رفعت مرے حضور کی ہے

نعت مہتابؔ لکھ رہا ہوں میں
مجھ پہ رحمت مرے حضور کی ہے

مہتاب پیامی

یہ ھے میرا وطن

الٰہی مرا نورِ بصیرت عام کردے

سلسلہ ٹوٹے نہیں

جنوبی ہند کا ایک دعوتی سفرنامہ

مبارک حسین مصباحی

جب ہم اپنے وطن کی بات کرتے ہیں تو صرف اپنا علاقہ اور اتر پردیش مراد نہیں ہوتا بلکہ پورا ملک مراد ہوتا ہے اور اپنے وطن سے سچی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ملک کے ہر گوشے اور ہر خطے سے محبت ہو، علاقائی اور قومی عصبیت ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے زہر قاتل ہے۔ جو لوگ ملک کو علاقائی اور لسانی خانوں میں بانٹ کر دیکھتے ہیں، وہ اپنے ملک کے وفادار نہیں۔ راج ٹھاکرے اور ان کے ہم نوا مراٹھی شمالی ہند کے باشندوں کے ساتھ ممبئی اور اس کے مضافات میں جو سلوک کر رہے ہیں، یہ انتہائی گھناؤنی سیاست ہے۔ انصاف پسند مراٹھی بھی راج ٹھاکرے کی غنڈہ گردی کو پسند نہیں کرتے۔ تجارت و معیشت کے لیے ملک کا کوئی بھی باشندہ کسی بھی علاقے میں بود و باش اختیار کر سکتا ہے۔ مہاراشٹر کے ہزاروں لوگ اتر پردیش اور ملک کے مختلف علاقوں میں تعلیم و تجارت کے لیے رہ رہے ہیں مگر ان کے ساتھ علاقائی عصبیت کا کوئی معاملہ آج تک سننے میں نہیں آیا۔ یہ گفتگو اس لیے چھڑ گئی کہ گزشتہ دنوں جب ہم مہاراشٹر گئے تو ممبئی قیام کے دوران کئی کرب ناک واقعات سننے میں آئے اور بات اگر صرف واقعات اور حادثات کی حد تک ہوتی تو ماضی کی کرب ناک یادوں کی طرح طاقِ نسیاں کی نذر ہو جاتی، مقامِ افسوس یہ ہے کہ مہاراشٹر میں علاقائی عصبیت ایک وبائی مرض بن کر پنپ رہی ہے اور ممبئی میں مقیم شمالی ہندوستانیوں کے خلاف اس چنگاری کو مسلسل ہوا دی جا رہی ہے، اس لیے پوری شدت کے ساتھ اس رجحان کو دبانے اور مٹانے کی ضرورت ہے۔ مہاراشٹر کی ٹھاکرانہ عصبیت پر ہم آئندہ گفتگو کریں گے۔ اب ہم آندھرا پردیش کے تاریخی شہر ادونی کا رخ کرتے ہیں۔

۹ر جولائی ۲۰۱۰ء کو ادونی ضلع کرنول اے. پی. میں معراج مصطفیٰ ﷺ کانفرنس تھی، اہل ادونی پہلے بھی کئی بار دعوت دے چکے تھے مگر ہم اپنی مصروفیت کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے۔ اس بار ہم نے بہر صورت شرکت کا عزم کیا۔ بھیونڈی سے جناب وقار عزیزی صاحب نے بھی فون کیا کہ ہم اس پروگرام میں ضرور شریک ہوں۔ خیر ایک طویل مسافت طے کر کے ۹ر جولائی کو قریب چھ بجے صبح ہماری ٹرین ادونی پہنچی۔ اسٹیشن پر پہلے ہی سے ہمارے داعی پیر طریقت سید نوید سہروردی اور حضرت مولانا حافظ شکیل احمد موجود تھے، ان کے ساتھ ان کے دیگر احباب بھی تھے۔ یہ قافلہ بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ ہمیں ایک بڑے ہوٹل میں لے کر پہنچا جہاں ہر قسم کی سہولیات موجود تھیں۔

ادونی ایک مذہبی، تجارتی اور تاریخی شہر ہے۔ یہاں ۹۹ر فی صد اہل سنت و جماعت ہیں، علم و تہذیب پر حیدر آبادی رنگ غالب ہے۔ عام طور پر لوگوں میں سنیت و صوفیت کے آثار نظر آتے ہیں۔ بلند پایہ اولیاے کرام اور صوفیاے عظام کے مزارات بھی ہیں۔ معراجِ مصطفیٰ کانفرنس بھی قدوۃ السالکین حضرت سید عنان شاہ ولی علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر ایک اجلاسِ عام تھا۔ عرس کا اہتمام صدر عرس کمیٹی سید شاہ جاوید انور سہروردی اور حضرت سید نوید میاں سہروردی کرتے ہیں۔ ادونی کے دیگر مشاہیر بزرگوں کے اسماے گرامی اس طرح ہیں۔ (۱) - اشرف المعاصر حضرت سید شاہ طاہر قادری علیہ الرحمہ۔ (۲) - حضرت صوفی شیخ فرید علیہ

الرحمہ۔ (۳)- حضرت چندہ حسینی علیہ الرحمہ۔ (۴) - حضرت سید امن قادری علیہ الرحمہ۔ (۵) - حضرت سید شاہ احمد حسینی سہروردی تیغ برہنہ۔ ان مشاہیر کے علاوہ بھی بزرگوں کے مزارات ہیں۔

جناب سید محمد نوید سہروردی حضرت تیغ برہنہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے جد امجد گلبرگہ سے ادونی آئے تھے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ قطب الاولیا شاہ حسام الدین حسینی تیغ برہنہ سہروردی علیہ الرحمہ کا مزار گلبرگہ شریف میں سرچشمہ فیوض و برکات ہے۔ سید نوید سہروردی کے مشیر اعلیٰ مولانا شکیل احمد رضوی نے جامعہ نظامیہ حیدر آباد سے کامل الفقہ کیا ہے، انگریزی میں ایم اے اور ایم فل کیا ہے، دونوں حضرات حالات آشنا اور دعوت و تبلیغ کے جدید تقاضوں سے واقف ہیں۔ دین و سنیت کا سچا درد رکھتے ہیں۔ ادونی کی موجودہ سنیت کے تحفظ و فروغ میں آپ حضرات نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ۹ر جولائی ۲۰۱۰ء کو جمعہ کا دن تھا ادونی کی جامع مسجد ایک عظیم تاریخی مسجد ہے۔ اہل ادونی نے بتایا کہ مکہ مسجد حیدر آباد کے بعد یہ اے. پی. کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ اس مسجد کی تعمیر حضرت سید شاہ طاہر قادری علیہ الرحمہ نے کرائی تھی۔ آپ نے مسجد میں نمایاں طور پر کندہ کرا کر دیا تھا: "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ۔" یہ کلمات آج بھی جلی حروف میں موجود ہیں۔ شاید انھیں کلمات کی برکت نے اس مسجد کو وہابیت زدگی سے محفوظ رکھا اور اس مرکزی مسجد کی برکت سے علاقہ بھی محفوظ رہا۔ نمازِ جمعہ ہم نے اسی مسجد میں ادا کی۔ نماز سے قبل ہمارا خطاب بھی ہوا جو پہلے ہی سے ہمارے طے شدہ پروگرام میں شامل تھا۔ بعد نمازِ عصر حضرت سید شاہ طاہر قادری علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری دی۔ آپ کا مزار آبادی سے چند کلومیٹر دور پہاڑیوں کے دامن میں ہے۔ ماشاء اللہ بڑا روحانی اور پر فضا مقام ہے۔

بعد نمازِ عشا معراجِ مصطفیٰ کانفرنس شروع ہوئی۔ تلاوت و نعت کے بعد افتتاحی خطاب حضرت مولانا شکیل احمد رضوی نے فرمایا۔ نظامت خود سید محمد نوید میاں تیغ برہنہ فرما رہے تھے، حد نظر ٹھاٹھیں مارتا ہوا مجمع شوق تھا۔ گل پوشی کی رسم ادا کی گئی اور پھر ہمیں خطاب کرنے کے لیے حکم ملا۔ لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹے ہم نے معراج مصطفیٰ ﷺ کے موضوع پر گفتگو کا شرف حاصل کیا، ہمارے بعد مبلغ سنیت جناب وقار احمد عزیزی صاحب نے بڑی خوب صورت تقریر فرمائی، صدر اجلاس سید جاوید انور سہروردی صاحب نے سامعین و حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

ہندوستانی مسلمانوں میں رجب المرجب کا مہینہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے بعد اس ماہِ مبارک میں ذکر رسول کی محفلوں کو خوب سجایا جاتا ہے، تاریخوں کے اختلاف کے باوجود راجح قول یہی ہے کہ سرورِ دو جہاں ﷺ کو معراج ۲۷ر رجب المرجب کو ہوئی۔ اس مقدس شب میں رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی تھی لیکن آقاے دو جہاں ﷺ کے صدقے میں مومنوں کی بھی معراج ہوئی۔ سرورِ دو جہاں کی معراج کے حوالے سے اہل سنت اور غیر اہل سنت میں اختلاف رہا ہے کہ آقا علیہ السلام کی معراج بیداری میں ہوئی یا عالم خواب میں، روحانی ہوئی یا جسمانی۔ علماے اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ سرکار کو عالم بیداری میں جسمانی معراج ہوئی اور اس عقیدے کے استدلال میں قرآن و احادیث کا ناقابلِ تردید ذخیرہ موجود ہے۔ دراصل جن حضرات کے قلوب مقامِ مصطفیٰ سے بے بہرہ ہیں وہ رسولِ پاک کے مقام و اختیار کو اپنی عقلوں کی میزان پر تولتے اور ناپتے ہیں کہ نبی اس مختصر وقت میں حرم محترم سے حریم قدس الٰہی تک کیسے گئے اور آئے۔ اس لیے وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دیتے ہیں کہ واقعۂ معراج یا تو صرف روحانی ہے یا یہ واقعہ خواب کا ہے۔ سر دست ان حضرات کی خدمت میں صرف اتنا عرض ہے کہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ ایک عظیم معجزہ ہے اور معجزہ وہی ہوتا ہے جو عقلوں میں نہ آئے۔

شبِ معراج ہمارے آقا بارگاہِ قدس سے اپنی امت کے لیے نمازوں کا تحفہ لائے اور یہ تحفۂ نماز دراصل امت کی معراج ہے الصلوٰۃ معراج المومنین، شب معراج مصطفیٰ ﷺ دیدارِ الٰہی سے شرف یاب ہوئے اور حالتِ نماز میں یہ امت بارگاہِ قدس میں حاضری کا شرف پاتی ہے۔ اگر نورِ بصیرت سے کام لیا جائے تو دونوں میں بڑی مناسبت ہے، مقامِ مصطفیٰ کی سربلندی ہو یا بندۂ مومن کی مومنانہ زندگی دونوں کی معراج بارگاہِ قدس کی حاضری میں ہے، نبی کریم ﷺ کی معراج دیدارِ الٰہی اور قربِ الٰہی کی وہ منزلیں ہیں جن کے عرفان اور آگہی سے ہمارے دل و دماغ قاصر ہیں اور ہماری معراج اداے مصطفیٰ کی پیروی اور اطاعت میں ہے۔ اسی مقامِ محبوبیت کی نشان دہی قرآن یوں فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ - (آلِ عمران:۳۱)

ترجمہ:- اے محبوب آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو محبوب بنا لے گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت سے لے کر بندوں کی محبوبیت تک کا مکمل سفر نبی ﷺ کی اطاعت و پیروی ہی میں مضمر ہے۔ نبی کی محبت اور

اطاعت کو نظر انداز کر کے نہ بندہ خدا کا محب بن سکتا ہے اور نہ بندہ خدا کی محبوبیت کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گردِ منزل میں
نہ جانے کس بلندی پر ہے کاشانہ محمد کا

اب ہم آپ کے ذہنوں کو اس نقطے کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ معراج مصطفیٰ کا سب سے اہم تحفہ نماز ہے جو اہم العبادات ہے۔ نماز محض ایک رسم نہیں بلکہ قربِ الٰہی کا ایک مستحکم ذریعہ اور تجلیاتِ ربانی کا مرکز ہے۔ بندہ جب خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے تو تجلیاتِ ربانی میں ڈوب جاتا ہے۔ اس حوالے سے ذرا صحابۂ کرام اور اولیاے عظام کے واقعات پڑھیے، کوائفِ نماز پڑھ کر قارئین پر وجد و کیف طاری ہو جاتا ہے۔ ادھر چند برسوں سے نماز کی باضابطہ تحریکیں شروع ہوئی ہیں، دوسری طرف مسلمانوں میں علم کا گراف بھی بلند ہوا ہے جس کے نتیجے میں نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ مگر افسوس مسنون لباس میں نماز سے زیادہ نماز کا پروپیگنڈہ نظر آتا ہے اور یہ ریاکاری کی بدترین قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لوگوں کو اس بلا سے محفوظ رکھے، آمین۔

ہمیں ادونی میں اسی دن معراجِ مصطفیٰ کے موضوع پر روزنامہ ''منصف'' حیدر آباد کا خصوصی شمارہ پڑھنے کو ملا، جس میں ''واقعۂ معراج کے تناظر میں ارضِ فلسطین کی پکار'' کے عنوان سے حسب ذیل تجزیہ پسند آیا:

واقعۂ معراج کے حوالے سے اگر ارضِ فلسطین کے موجودہ کرب ناک حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقامِ مقدس جہاں سے محسن انسانیت ﷺ نے اپنے سفر معراج کا آغاز فرمایا تھا، آج بھی باطل کے شکنجہ میں ہے۔ مسلمانوں کا قبلۂ اول، مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کے سیکڑوں واقعات کو دنیا خاموش تماشائی بن کر دیکھ رہی ہے۔ بیت المقدس کی بازیابی امت کی شرعی ذمہ داری ہونے کے باوجود پورے عالم پر موت کا سناٹا چھایا ہوا نظر آرہا ہے۔ ایک بین الاقوامی سازش کے تحت ۱۹۴۸ء میں یہودی مملکت کو قائم کر کے دنیا کے شاطر حکمرانوں نے یہودیوں کے پنجے مقدس سرزمین میں گاڑ دیے۔ دنیا کی یہ ظالم اور غاصب قوم شروع دن سے ہی مسجد اقصیٰ کے تقدس کو پامال کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ یہودیوں نے ایک طرف مذہبی شعائر کی بے حرمتی کو اپنا شعار بنالیا اور دوسری طرف معصوم اور بے گناہ فلسطینیوں کو اپنی بربریت اور شقاوت کا نشانہ بنایا۔ گزشتہ ۶۲ر سال سے اسرائیل کے مظالم دنیا پر عیاں ہیں۔ فلسطینیوں کی جائداد پر قبضہ، معصوم بچوں اور بوڑھوں پر بموں کی بارش اور ہر دن جرائم کا ارتکاب، اس کے باوجود امن کے ٹھیکے داروں کا ضمیر نہیں جاگا۔ اسرائیل کے خلاف اقوام متحدہ میں بیسیوں قراردادوں کی منظوری لیکن اس پر عمل ندارد۔ گزشتہ دو سال سے غزہ کی جس سنگ دلانہ انداز میں اسرائیل نے ناکہ بندی کر رکھی ہے یہ تو اس کی بربریت کی انتہا ہے۔ غزہ کے پندرہ لاکھ عوام کھانے کے دانے دانے کے لیے ترس رہے ہیں۔ پورا علاقہ ایک کھلی جیل کا منظر پیش کر رہا ہے، بچوں کے لیے دودھ اور بیماروں کے لیے دوائیں بھی نہیں پہنچائی جا سکتیں۔ چند دن قبل ترکی نے جب اسرائیل کی اس جارحیت کے خلاف اقدام کرتے ہوئے غزہ کے عوام کو غذائی اجناس بذریعہ جہاز پہنچانے کی کوشش کی تو اسرائیل نے نہ صرف امداد کا سامان لے کر جانے والے ترکی کے جہازوں کو روک دیا بلکہ اس پر حملہ کر کے سارا مال ضبط کر لیا۔ اسرائیل کی اس جارحانہ کارروائی کے خلاف دنیا نے واویلا کیا، لیکن اسرائیل ٹس سے مس نہ ہوا اور آج بھی غزہ کے عوام ناقابلِ بیان مصائب سے دوچار ہیں۔ ترکی کی جرأت مندانہ کارروائی اور بلند ہمتی کی داد دینی چاہیے کہ وہ اب بھی فلسطینیوں بالخصوص غزہ کے عوام کی مدد کے لیے تیار ہے، حال ہی میں ترکی میں منعقدہ علما کونسل نے بھی اسرائیلی جارحیت کے خلاف اور فلسطینیوں سے یگانگت کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پانچ سو علما ترکی سے جہاز کے ذریعہ غزہ جائیں گے تاکہ فلسطینیوں کی ہمت بندھا سکیں۔

شبِ معراج کے اس موقع پر امت مسلمہ کو مسئلہ فلسطین کے تعلق سے بھی چند حقائق کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اگر دنیاے عرب اور امت مسلمہ مسئلہ فلسطین کو ایک جغرافیائی یا قومی مسئلہ سمجھتی ہے تو یہ انتہائی کم علمی کی دلیل ہے۔ فلسطین کا تعلق سارے مسلمانوں سے ہے۔ مسجد اقصیٰ جس کو سارے مسلمان اپنے ایمان کی علامت سمجھتے ہیں، اس سے دست بردار ہونے کا کوئی مسلمان تصور نہیں کر سکتا۔ اسرائیل مسجد اقصیٰ کو ڈھانے کی کئی مرتبہ ناپاک کوشش کرتا رہا۔ کبھی مسجد اقصیٰ میں آگ لگائی گئی اور کبھی سرنگیں لگا کر اسے ڈھانے کی کوشش کی گئی۔ یہودی قوم کی زندگی کا نصب العین یہی ہے کہ کسی طرح سارے فلسطین اور خاص طور پر مسجد اقصیٰ پر ان کا قبضہ ہو جائے۔ یہودی قوم اب

عظیم تر اسرائیل Grater Israel کا خواب دیکھ رہی ہے۔ عظیم تر اسرائیل کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ ایک وسیع وعریض اسرائیلی مملکت قائم کرنے کے درپے ہیں۔ اسرائیلی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ عبارت اب بھی موجود ہے کہ ''اے اسرائیل! تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں۔''

ابھی میں یہ سطریں سپردِ قلم کر رہا تھا کہ راشٹریہ سہارا اعظم گڑھ کی مندرجہ ذیل خبر نے مزید تشویش پیدا کر دی:

''فلسطینی قومی منصوبہ بندی کمیٹی کے سکریٹری جنرل مصطفیٰ برغوثی نے اسرائیل کی جانب سے کچھ دنوں کے اندر مغربی کنارہ کے ضلع بیت اللحم کے علاقوں ولجہ اور بیت جالا میں ۱۰۰ر نئے رہائشی یونٹوں کی تعمیر کے منصوبے کا انکشاف کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اسرائیلی انتظامیہ نے ان کے گھروں کے لیے فلسطینی شہریوں کی زمینیں بلڈوز کرنا شروع کر دی ہیں۔ اس جگہ تک رسائی روکنے کے لیے خاردار تاریں بھی نصب کر دی گئی ہیں۔ برغوثی نے کہا کہ ''صیہونی ریاست'' اپنی مذموم کارروائیوں کے ساتھ ساتھ مذاکرات کا ڈھونگ بھی رچا رہی ہے اور یک طرفہ طور پر اپنے فیصلے مسلط کیے جا رہی ہے۔ اسرائیل مذاکرات کو اپنی مذموم کارروائیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ وہ ایسے حالات پیدا کرتا جا رہا ہے جو حقیقی فلسطینی ریاست کے قیام میں حائل ہو سکیں۔ انھوں نے کہا کہ لوگوں کی نظروں سے دور تعمیرات کا یہ کام نتین یاہو حکومت کے دعووں اور ان کی جانب سے یہودی آبادکاری رکوانے کے مبینہ فیصلہ کا منہ چڑا رہا ہے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اسرائیلی حکام بیت اللحم کے غصب کردہ علاقے ''تقوع'' میں یہودیوں کے لیے ۳۲ر رہائشی یونٹس تعمیر کروانے میں مصروف ہیں۔ اسی طرح مغربی کنارہ اور مقبوضہ بیت المقدس میں موجود فلسطینیوں سے چھینی گئی اراضی پر تعمیر کردہ یہودی آبادیوں میں مزید توسیع کی جا رہی ہے۔ برغوثی نے کہا کہ اسرائیل کی جانب سے یہودی آبادکاری روکنے کے فیصلے کے اعلان کے بعد یہودی بستیوں کی تعمیر کا حجم کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گیا ہے۔ مغربی کنارہ اور القدس میں زیر تعمیر تمام رہائشی یونٹوں کا تعمیراتی کام مسلسل جاری ہے۔ القدس میں ہزاروں گھروں کی تعمیر کے لیے اجازت نامے جاری کر دیے گئے ہیں۔ پبلک اور پرائیویٹ دونوں سیکٹروں میں یہودی آبادکاری کو روکنے والا کوئی نہیں ہے۔''

سہارا ہی کی ایک اور خبر کے مطابق بیت المقدس میں اسلامی مسیحی نصرت القدس کمیٹی نے انکشاف کیا ہے کہ اسرائیل مسجد اقصیٰ کے جنوب مغرب کی سمت میں تاریخی جگہ ''مقام براق'' کے تمام اسلامی آثار و علامات کو مٹانے کے ایک خطرناک منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ خیال رہے کہ ''براق'' مسجد اقصیٰ کی وہ تاریخی جگہ ہے جہاں سے نبی اکرم ﷺ نے عالم بالا کے سفر کی تیاری کی تھی۔ اس اعتبار سے مسجد اقصیٰ کے جنوب مغربی سمت میں واقع یہ مقام اپنی ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جب کہ عیسائی بھی اس جگہ کے مقدس ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۲۹ء میں فلسطین پر برطانوی قبضے کے خلاف اسی مقام سے ایک انقلابی تحریک شروع ہوئی تھی جسے بعد میں انقلابِ براق کا نام دیا گیا تھا۔ کمیٹی کی جانب سے مقام براق کے احاطے میں اسرائیل کی تازہ کھدائیوں کی تصاویر بھی جاری کی گئی ہیں۔ ان تصاویر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ صیہونی حکام تیزی کے ساتھ مقام براق اور اس سے ملحقہ مقامات کو یہودی مقاصد کے لیے استعمال میں لانا چاہتے ہیں۔ مقام براق کے قریب مسجد اقصیٰ کے مراکشی دروازے کے سامنے ''توراتی میزیم'' بنانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ توراتی میوزیم کی آڑ میں مسجد اقصیٰ کے اس مقدس حصے کو قبلۂ اول سے الگ کر کے یہاں یہودیوں کی تقریبات کے لیے پارک اور دیگر عمارتیں بھی تعمیر کی جائیں گی۔ رپورٹ کے مطابق اسرائیل مقام براق کے احاطے اور وہاں پر موجود قدیم ترین اسلامی آثار کو ختم کرنے کے لیے کئی قسم کی دیگر تبدیلیاں بھی کرنا چاہتا ہے۔ انھیں جوہری تبدیلیوں میں براق جیسے مقدس مقام کو ٹیکسی اسٹینڈ اور پارکنگ کے لیے مخصوص کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ یہ ٹیکسی اسٹینڈ بیت المقدس کے قدیم دروازے ''باب نبی داد'' کے قریب بنائے جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ پارکنگ کی یہ جگہ صرف اسی صورت میں مکمل ہوگی، جب بیت المقدس کی اس قدیم دیوار کا بھی کچھ حصہ منہدم کر کے اس میں شامل کیا جائے گا۔ کمیٹی نے مقام براق میں یہودیت کے نئے منصوبوں کی مزید تفصیلات بتاتے ہوئے کہا ہے کہ اسرائیل مقام براق کے احاطے میں کئی اہم عمارتوں کو تعمیر کر رہا ہے۔ انھیں عمارتوں میں ''الگوہر ہاس'' تین منزلہ عمارت تقریباً ۳۰۰۰ر مربع میٹر پر تعمیر کی جائے گی۔ اس عمارت میں ایک میوزیم بنایا جائے گا جس میں صرف یہودیوں کی مذہبی تاریخ کی حامل قدیم اشیا رکھی جائیں گی۔ اس کے علاوہ مقام براق کے جنوب مغرب میں

"التورات ہاس" کے نام سے تعمیراتی منصوبہ زیر غور ہے۔ "تورات ہاس" کے نام سے تعمیراتی منصوبہ زیر غور ہے۔ تورات ہاس کے نام بنائی جانے والی یہ عمارت یہودی مذہبی تعلیمات کی ایک اہم درس گاہ پر مشتمل ہوگی۔ براق کے جنوب میں "ڈفیڈ سون سینٹر" قائم کیا جارہا ہے۔ ڈفیڈ سون ہاس البراق کے شر قاغر باپھیلے تاریخی پارک کے ساتھ تعمیر کیا جائے گا۔ القدس کمیٹی کے مطابق اسرائیل مقام براق کے قریب کئی ٹیکسی اسٹینڈ بنانے کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ یہودیوں کی آمد ورفت میں انھیں سہولت فراہم کی جاسکے۔ اس کے علاوہ یہاں پر تعمیرات کا ایک ایسا جال بنانا چاہتا ہے تاکہ مسلمانوں کے اس مقدس مقام کی شناخت کلی طور پر ختم کر کے اسے یہودیوں کے عام استعمال کی جگہ بنایا جائے۔

اے کاش عرب حکمرانوں کی غیرتِ ایمانی بیدار ہوتی تو آج قبلۂ قول بیت المقدس کے تعلق سے یہ برا دن دیکھنے کو نہیں ملتا۔ فلسطینی مسلمان ظلم وجبر کی چکی میں پس رہے ہیں مگر عالم اسلام ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے یہ خونچکاں منظر دیکھ رہا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ امتِ مسلمہ عالمی سطح پر اسرائیل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور ہر ملک کے مسلمان اپنی اپنی حکومتوں پر دباؤ بنائیں کہ وہ اسرائیلی حکومت سے اپنا رشتہ منقطع کرلیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق بعد نمازِ فجر ۱۰ر جولائی کو ہم ادونی سے گلبرگہ کے لیے نکل گئے۔ ہمارے ساتھ سید نوید سہروردی، حافظ شکیل احمد رضوی، جناب وقار عزیزی اور چند صالح نوجوان بھی تھے۔ گلبرگہ اسٹیشن پر پہنچے تو رضا گیسٹ ہاؤس کے مالک حاجی جعفر ایوب، مولانا جاوید اختر مصباحی وغیرہ سراپا شوق موجود تھے۔ حاجی صاحب ہمیں ریسیو کر کے سیدھے گیسٹ ہاؤس پہنچے۔ حاجی جعفر ایوب صاحب سے ہمارے قدیم روابط ہیں۔ موصوف انتہائی نیک سیرت، بلند اخلاق اور دار العلوم رضائے مصطفیٰ گلبرگہ کے صدر و مہتمم ہیں، مدتِ دراز سے ماہ نامہ اشرفیہ کی ایجنسی لیے ہوئے ہیں، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی حسن کارکردگی سے بے پناہ متاثر ہیں۔ اپنے ادارے میں فضلائے اشرفیہ کے تقرر کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس وقت مولانا بہاء الدین مصباحی، مولانا جاوید اختر مصباحی اور مولانا کاشف رضا شاد مصباحی ان کے ادارے میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف نے قیام وطعام کا پرتکلف اہتمام کیا۔ گیسٹ ہاؤس میں ہمارے دیرینہ کرم فرما محب مکرم جناب ڈاکٹر کے. عبد الحمید اکبر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ ان سے ملاقات کے لیے میں پہلے ہی سے بے چین تھا۔ موصوف بلند اخلاق، خوش عقیدہ اور علمی شخصیت ہیں۔ دین ودانش اور علم وادب کے مختلف موضوعات پر ان سے دیر تک گفتگو ہوئی، طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈھائی بجے سے ساڑھے چار بجے تک انجمن ترقی اردو شاخ گلبرگہ کے ایوان میں کنونشن ہونا تھا۔ موضوع تھا "مدارس اسلامیہ کی اہمیت وافادیت اور مرکزی مدرسہ بورڈ کی حقیقت ونوعیت" اور خصوصی خطیب کی جگہ میرا نام لکھ دیا تھا۔ اجلاس میں بطور خاص علما، اہل علم و دانش، مسلم اہل سیاست، اربابِ قلم اور میڈیا سے وابستہ حضرات کو دعوت دی گئی تھی۔ گلبرگہ ایک علمی اور تہذیبی شہر ہے، متعدد اردو اخبارات بھی نکلتے ہیں، مختلف سلاسل کے بلند پایہ صوفیہ اور اولیا کا فیضان بھی اس شہر میں جاری ہے۔ شہنشاہِ دکن خواجۂ خواجگاں سید شاہ محمد حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ کا مزار اقدس بھی اسی شہر میں مرجع خلائق ہے۔ یہ وہی خواجہ بندہ نواز ہیں جن کے چرنوں میں اردو زبان نے جنم لیا۔ ایک سے ایک اہل شعر وادب اس سرزمین پر پیدا ہوئے۔ یہاں ایک عدد یونیورسٹی، متعدد کالج اور کئی مدارس اسلامیہ بھی ہیں۔

بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ ایوان انجمن ترقی اردو کمپلیکس اسٹیشن روڈ گلبرگہ میں وقت پر پروگرام شروع ہوا۔ تلاوت گلبرگہ یونیورسٹی کے ڈین عالی جناب ڈاکٹر کے. عبد الحمید اکبر نے فرمائی۔ خطبۂ استقبالیہ مولانا جاوید اختر مصباحی نے پیش کیا۔ نعتِ مصطفیٰ ﷺ کے بعد ہمیں آواز دی گئی۔ ہم نے دیر تک اپنے باوقار سامعین کو مصروف رکھا۔ گفتگو کا خلاصہ یہ تھا، اسلام انسانی دنیا میں علم کا سب سے بڑا داعی ہے۔ علم دین حاصل کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے مگر جدید علوم کا حصول اسلامی قدروں کے منافی نہیں بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کی ترغیب دی ہے اور ہر دور میں مسلمانوں نے جدید اور دنیاوی علوم میں حصہ لیا ہے، بلکہ مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں جدید اور عصری علوم وفنون میں حیرت انگیز ایجادات کی ہیں اور نت نئے تجربات کی قیادت ورہ نمائی کی ہے اور آج بھی دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمان جدید ایجادات اور جدید علوم وفنون میں پیش قدمی کر رہے ہیں۔ سینٹرل مدرسہ بورڈ کے تعلق سے بعض ناعاقبت اندیش علما موہوم خدشات کا سہارا لے کر مخالفت کر رہے ہیں۔ ہم نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ ان کی مخالفت میں خیر خواہی نہیں بلکہ سیاسی سودے بازی ہے۔ اگر مخالفین واقعی اپنی رائے

میں مخلص ہیں تو صوبائی مدرسہ بورڈ سے اپنے مدارس کے الحاقات توڑ کیوں نہیں دیتے۔ اترپردیش میں یہی لوگ لاکھوں لاکھ رشوت دے کر اپنے ملحق مدارس کو ایڈ لسٹ پر لانے کی جدوجہد کر رہے ہیں، جو بات کہیں فخر ہے وہی بات کہیں ننگ۔ ان قائدین کی دوغلی پالیسی سے اب ہندوستانی مسلمان جیسے جیسے واقف ہو رہے ہیں مرکزی مدرسہ بورڈ کی تشکیل کا مطالبہ بڑھ رہا ہے۔ گلبرگہ کا یہ عظیم کنونشن بھی اسی مطالبے کی ایک پرزور آواز ہے جو صدا بہ صحرا ثابت نہیں ہوگی۔ ہمارے خطاب کے بعد جن مہمانانِ خصوصی نے اپنے گراں قدر اور وقیع تاثرات پیش کیے۔ ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

ڈاکٹر شاہ محمد افضل الدین جنیدی صاحب خلف اکبر سجادہ نشیں بارگاہ شیخ دکن گلبرگہ شریف، الحاج قمر الاسلام صاحب ایم ایل اے گلبرگہ (شمال)، جناب محمد عبد العظیم ایم. اے. صدر گلبرگہ ایجوکیشنل ٹرسٹ گلبرگہ، صدارت جناب ولی احمد صدر انجمن ترقی اردو ہند شاخ گلبرگہ نے فرمائی۔ صدر باوقار نے بڑا جامع خطبہ صدارت پیش کیا اور موضوع کے تمام گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے کنونشن کے خطابات کا تجزیہ بھی کیا۔ کنونشن کے تمام خطبا نے مرکزی مدرسہ بورڈ کی پرزور حمایت کی اور میڈیا کے روبرو حکومتِ ہند سے مطالبہ کیا کہ وہ بورڈ کی تشکیل کے لیے اولین فرصت میں پیش قدمی کرے۔ پروگرام میں علمی اور دینی شخصیات اور علاقے کے مصباحی برادران نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ شرکت فرمائی پروگرام کے اختتام پر ای. ٹی. وی. کے نمائندوں نے ہم سے مدرسہ بورڈ کے تعلق سے انٹرویو لیا اور پھر حیدر آباد سے بڑے اہتمام کے ساتھ نشر بھی کیا۔ کنونشن کے دیگر شرکا میں جناب وقار عزیزی، سید نوید میاں، مولانا شکیل احمد رضوی، مولانا بہاء الدین مصباحی، مولانا کاشف رضا مصباحی، مولانا مشتاق مصباحی، مولانا معین الدین مصباحی کے چہرے یاد آرہے ہیں۔

بعد نمازِ عصر شہنشاہِ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر حاضری ہوئی۔ بڑا روحانی اور عرفانی منظر تھا، فاتحہ پڑھی اور ان کے وسیلے سے دعائیں کیں، حسن اتفاق کہ احاطۂ مزار میں صاحب سجادہ حضرت خسرو میاں دام ظلہ العالی سے بھی شرف نیاز حاصل ہوگیا۔ ہم پہلے سے ہی ان سے ملاقات کے خواہش مند تھے۔ حضرت نے فرمایا بعد نمازِ مغرب گھر آئیں اور ماحضر تناول فرمائیں، لیکن اسی دن بعد نمازِ مغرب ہمیں ممبئی نکلنا تھا اس لیے معذرت کرلی۔ اس مختصر ملاقات میں ہم نے انھیں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت نے فرمایا ان شاء اللہ کسی مناسب موقع سے ضرور حاضری ہوگی۔

اسی سفر میں ۱۱ر جولائی ۲۰۱۰ء کو میرا روڈ ممبئی کی شہرۂ آفاق "شمس مسجد" میں بھی ہمارا خطاب ہوا، موضوع تھا "معراجِ مصطفیٰ ﷺ اور ارضِ فلسطین کی پکار"۔ تفصیل ابھی نہیں........

ص: ۵۶ کا بقیہ جشن حضور حافظ ملت نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔ اس محفل نور میں طلبہ وکارکنان دار العلوم نے ذوق وشوق سے حصہ لیا اور اساتذۂ دار العلوم مفتی محمد شبیر عالم مصباحی، محمد فیض الدین رضوی، مولانا محمد ساجد حسین شمسی، مولانا محمد باب الحسین امینی۔ مولانا غلام آل رسول اشرفی رونق اسٹیج رہے۔ طلبۂ دار العلوم نے دین وملت کے اس عظیم محافظ، مفکر، مبلغ ومحدث جلالۃ العلم الشاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کی بارگاہ میں والہانہ انداز میں منظوم ومنثور خراج عقیدت پیش کیا۔ مفتی شبیر عالم مصباحی کا خصوصی خطاب ہوا۔ موصوف نے اپنے خطاب میں حیاتِ حافظِ ملت کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی اور اس کے تناظر میں طلبہ کی ذہن سازی کی کہ کاروانِ حیات کو منزل کامرانی سے ہم کنار کرنے کے لیے بزرگانِ دین کے اسوۂ حسنہ پر عمل ضروری ہے۔ بعد صلاۃ وسلام وقل دعا کے ساتھ محفل اختتام پذیر ہوئی۔ از: محمد منہاج افسر مصباحی، جام نگر

بزمِ گلشن آسی سکندرپور کا آٹھواں انعامی مقابلہ

۲۴ر جون بروز جمعرات بعد نمازِ عشا دار العلوم سرکار آسی سکندرپور میں انعامی مقابلہ کا پروگرام منعقد ہوا۔ مولوی محمد واصف ارشد نے محفل کا آغاز کیا۔ نقابت کے فرائض مولوی محمد رئیس القادری نے انجام دیے، پھر انعامی مقابلے کا دور شروع ہوا اور طلبہ نے تقریر اور نظم خوانی کی۔ شرکائے مقابلہ کے مابین کامیابی کا معیار تین چیزوں پر رکھا گیا تھا۔ ترنم، تحت تلفظ، طرز ادا۔ فیصل کی حیثیت سے مولانا محبوب عالم، مولانا محمد شمیم احمد، حافظ وقاری محمد مقصود احمد اور غلام رشیدی صاحب نے شرکت کی۔ مذکورہ ججوں کے متفقہ فیصلوں سے نعت خوانی میں مسعود عالم جمالی کو پہلا انعام دیا گیا، جب کہ تقریر میں پہلی پوزیشن محمد ریحان رضا نے حاصل کی۔ دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو بھی انعامات دیے گئے۔ صلاۃ وسلام اور مولانا محمد الیاس نوری کی دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔ از: محمد اعظم رشیدی، سکندرپور، بلیا

صدائے بازگشت

یہ کالم ایک "صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے"۔ اس کے تحت علمی، فکری، تنقیدی اور تجزیاتی مراسلات کو ترجیح دی جائے گی۔

رمضان میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال

مدیر محترم ــــــــــ سلام مسنون

شعبان المعظم کا پہلا عشرہ چل رہا ہے۔ مدارس اسلامیہ میں سالانہ امتحان اپنے آخری مرحلے میں ہے، چند ہی دنوں کے بعد تعطیل کلاں ہو جائے گی اور طلبہ و اساتذہ دو مہینے کی طویل مدت کے لیے اپنے وطن کو روانہ ہو جائیں گے۔ رمضان المبارک کا "موسم بہاراں" بھی جلد ہی شروع ہونے والا ہے۔ رمضان کا مہینہ کیا آتا ہے، رحمت و برکت کے دروازے اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ کھل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا رزق کشادہ فرما دیتا ہے۔ ہر جانب عجب چہل پہل ہوتی ہے۔ بوڑھے، بچے اور جوان سبھی سحر و افطار کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اس گہما گہمی میں ہم سے شعوری یا غیر شعوری طور پر کچھ ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جن سے اجتناب حد درجہ ضروری ہے۔

ملک کے طول و عرض میں رمضان کے مہینے میں لوگوں کو سحری کے وقت بیدار کرنے کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوتا ہے، مسلمانوں کو سحری کے لیے بیدار کرنا ایک مستحسن عمل ہے جس پر انشاء اللہ بڑا اجر مرتب ہوگا، لیکن ہماری بے توجہی سے اس عمل میں بڑی بے ترتیبی پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے بارہا مشاہدہ کیا کہ اکثر قریات و قصبات میں رات کے دو ڈھائی بجے ہی سے بڑی تیز آواز میں لاؤڈ اسپیکر آن کر دیا جاتا ہے اور فجر کی اذان تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہندوستان چوں کہ جمہوری ملک ہے، جہاں ہر مذہب کے لوگ بستے ہیں اور تقریباً ہر گاؤں اور ہر شہر میں بستے ہیں۔ ظاہر ہے مسلسل ایک مہینے تک روزانہ دو بجے سے ساڑھے چار بجے تک شور و ہنگامہ ان کی نیند میں خلل کا باعث ہوگا۔ ایسے میں ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے کسی بھی غیر ضروری عمل کے ذریعہ اپنے برادرانِ وطن کو تکلیف پہنچانے سے احتراز کریں اور اپنے عمل و کردار سے انھیں یہ پیغام دیں کہ اسلام امن و امان اور "جیو اور جینے دو" کا مذہب ہے۔ اسلام پڑوسیوں کے حقوق کا اس قدر لحاظ کرتا ہے کہ ان کے آرام و آسائش میں خلل کو بھی ناپسندیدہ عمل سمجھتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ رمضان کے مہینے میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بالکلیہ بند کر دیا جائے بلکہ میرا منشا صرف یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال حسب ضرورت ہی ہونا چاہیے۔ اب حالات بہت بدل چکے ہیں، مرغ کی بانگ سن کر سحری ختم کرنے کا زمانہ گزر گیا۔ اب وقت کی تعیین کے لیے ہر گھر میں جدید آلات موجود ہیں، سوتوں کو جگانے کے لیے بھی طرح طرح کی صورتیں نکل آئی ہیں، اس کے باوجود مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے وقفے وقفے سے وقت کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن تیز آواز میں مسلسل گھنٹوں کیسٹیں بجانا ایک غیر ضروری عمل ہے اور اپنے غیر مسلم بھائیوں کے دلوں میں اپنے تئیں نفرت پیدا کرنے کا ذریعہ بھی۔ میری ناقص رائے کے مطابق اس سے اجتناب ہونا چاہیے۔ فقط۔ والسلام

محمد ساجد رضا مصباحی۔ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

ویران جزیروں میں ایک خوش رنگ پرندہ

مکرمی جناب ــــــــــ سلام مسنون

گردشِ لیل و نہار ہمیں وہاں لے آئی ہے جہاں اردو زبان سے ہمارے اسلاف کی کسی پرانی، پرشکوہ اور عالی شان حویلی کی طرح محبت تو بہت کرتے ہیں، مگر اس کی دیکھ بھال سے ہمیں کوئی دل چسپی نہیں یا یوں کہیے کہ اس کی حفاظت کی جیسے ہمیں کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اس حویلی میں سحر و شام ایک چراغ جلانے کی روایت بھی ہم بھول گئے۔ ہماری اردو سے محبت ایک ایسا گلاس ہے جو خالی ہے، جس میں نہ شغف کا پانی ہے نہ عشق کی شراب اور نہ جنون کا زہراب۔ اردو سے عشق کیا ہوتا ہے اس کی مثال کچھ اس طرح ہو سکتی ہے کہ بابائے اردو مولوی عبد الحق نے اس زبانِ صد رنگ کی زلفِ گرہ گیر کی اسیری میں تا عمر شادی نہیں کی۔ لفظ لفظ سنوارتے رہے اور لغت ترتیب دیتے رہے۔ اورنگ آباد سے حیدرآباد اور ڈھاکہ سے کراچی تک کا دیوانہ وار سفر کرتے رہے۔ محبت کرنا آسان ہے مگر محبت کے تقاضوں کو پورا کرنا مشکل ہے۔ بقول غالب ؂

نہ پوچھ وسعتِ مے خانۂ جنوں غالبؔ
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

اردو کے لیے شور و غوغا اور داد و تحسین سے بہت زیادہ ضروری اردو والوں کی سنجیدگی ہے۔ اردو کے لیے ٹھوس اقدامات اور روشن لائحۂ عمل بنانے کا وقت آ چکا ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم بہت جذباتی ہیں، شور و غوغا کو ہم کار کردگی سمجھتے ہیں۔ کوئی اردو کی محبت میں ایک اچھا جملہ یا شعر کہہ دے تو ہم وفورِ شوق سے بے قابو ہو جاتے ہیں، مگر اردو کی مفلوک الحالی پر ہماری آنکھ نم نہیں ہوتی، دل میں اردو کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ بیدار نہیں ہوتا۔ اسے ہماری خوش فہمی ہی کہیے کہ ہمارے خیال میں چند

خوش الحان متشاعر اور مقرر شاعروں کی مدد سے ہم اردو کے مصائب کا بحر بے کراں پار کر لیں گے۔ یہاں شاید مجھے یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ مشاعروں کو سیاست دانوں نے اغوا کر لیا ہے اور اپنی امارت اور اقتدار کے ذریعہ اس کا استعمال اور استحصال کر رہے ہیں، اسی لیے ہمارے مشاعروں میں بھی ادبیت کا فقدان ہے۔ جب خواجہ میر درد نے باقاعدہ مشاعروں کی بنیاد رکھی تھی اس وقت مشاعرے تہذیبی درس گاہ تھے۔ آج نہ تو تہذیب باقی رہ گئی ہے نہ ہی اسے درس گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔

ہمارے صوفیا و مشائخ نے اردو مشاعروں کا استعمال آدابِ مجلس اور تہذیب زندگی سکھانے کے لیے کیا۔ اس لیے اردو مہذب اور باوقار ہوئی تھی۔ آج چند سیاسی، سماجی اور معاشرتی مفادات کے لیے اردو کا جو استعمال ہو رہا ہے وہ ناشائستہ بھی ہے، ناپسندیدہ بھی اور زبان و ادب کے حق میں نقصان دہ تو ہے ہی یہ الگ بات کہ نامساعد حالات میں بھی اردو ایک بین الاقوامی زبان ہے اور دنیا کے گوشے گوشے میں اردو کی نئی بستیاں قائم ہو رہی ہیں، جو ویران جزیرے میں ایک خوش رنگ پرندے جیسی معلوم ہوتی ہیں۔

اردو کے تعلق سے جو دوہرا معیار اہل اردو نے اختیار کر رکھا ہے، زبان و ادب کے نقصان کی اصل اور بنیادی وجہ وہی ہے۔ نئی نسل کو اردو عزیز نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے، لیکن معاشرے میں اردو کے تعلق سے بے گانگی، احساسِ کم تری، اس کے روزگار سے جڑے نہ ہونے کا احساس اور ایسے ہی دیگر مفروضات کی وجہ سے آج کے نوجوانوں میں اردو سے رغبت کے باوجود ایک خوف سا پایا جاتا ہے کہ اگر ہم نے اردو پڑھی یا ہماری مارکس شیٹ پر اردو لکھا ہوا دکھائی دیا تو ہماری وقعت کم ہو جائے گی، یا حصولِ روزگار میں ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں اپنی تدریسی زندگی میں نوجوانوں کو بہت قریب سے دیکھ رہی ہوں اور میں نے ہمیشہ محسوس کیا ہے کہ انھیں اپنی زبان سے محبت ہے، لیکن وہ ڈر جس کا ذکر میں نے کیا وہ انھیں روکتا ہے اردو کی جانب بڑھنے سے، ورنہ وہ چاہے اردو کی کلاسوں میں حاضری کا معاملہ ہو یا اردو کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا جذبہ۔ وہ کسی بھی شعبے میں پیچھے نہیں ہیں، لیکن وہ قاتل احساس کہ مسابقت کی دوڑ میں اردو ہمیں پیچھے کر دے گی، ان کے ذہنوں پر کچھ اس طرح نقش ہے کہ جب تک اسے نکالا نہیں جائے گا، نئی نسل اردو کے قریب نہیں آئے گی۔ یہ ہے ایک بات۔ دوسری بات جس کی نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ اب کالجوں میں جو طلبہ آ رہے ہیں، وہ زبان کے اس معیار کے ساتھ نہیں آ رہے ہیں جو ہمارے یا ہم سے پہلے کے زمانے میں دیکھا جاتا تھا۔ آج کے طلبہ کا نہ تو املا درست ہے نہ تلفظ۔ وہ شعر بھی سلیقے سے نہیں پڑھ سکتے۔

ہم اپنے طلبہ کو یہی سمجھاتے ہیں کہ اردو کا مقام کیا ہے، تاکہ ان میں جو احساس جاگزیں ہو چکا ہے اسے نکالا جا سکے۔ میں نے اکثر اپنے طلبہ سے کہا ہے کہ انگریزی کے مقابلے میں اردو والوں کے پاس کم تری کا احساس ہے تو سن لیجیے کہ اردو کے مشہور نقاد گوپی چند نارنگ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ: "اردو دنیا کی زبانوں کا تاج محل ہے۔" اردو کی شیرینی اور شگفتہ بیانی نے دنیا کو متاثر اور مرعوب کیا ہے۔ ملکہ وکٹوریا نے اپنے خانساماں عبد الکریم آگرہ والے سے اردو شاعری سیکھی تھی۔

سچ پوچھیے تو اردو کے تئیں ہمیں فخر بھی محسوس کرنا چاہیے اور شرم بھی۔ فخر اس لیے کہ اس زبان کا جادو ہر کس و ناکس کے سر چڑھ کر بولتا ہے، شرم اس لیے کہ بین الاقوامی زبان انگریزی کے مقابلے میں اردو کے اخبارات و رسائل بہت کم تعداد میں چھپتے ہیں۔ ہماری اس تساہلی اور بے حسی نے اردو کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ عام اردو والوں کے پاس اردو کتابوں کا تصور چھوڑیے ہمارے شعرا اور ادبا کے پاس بھی اردو کتابوں کا ذخیرہ مفقود ہے۔ کس کس بات کا رونا روئیں۔ ہماری اردو لائبریری کی کرسیاں بیٹھنے والوں کے انتظار میں بوڑھی ہو چکی ہیں۔ ہماری لائبریریوں کی کتابوں پر اتنی دھول اٹ چکی ہے کہ مطالعہ سے زیادہ وقت اسے صاف کرنے میں لگے گا۔ یہ ہمارا المیہ ہے، یہ ہمارا دکھ ہے۔ مگر اب مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی سے کام نہیں چلے گا بلکہ اردو کے محبت کے چراغ کو قریہ قریہ، کوچہ کوچہ اور شہر شہر روشن کرنے کے لیے اردو اکابرین اور مقتدرین بالخصوص مدرسین کو سنجیدہ اور مخلصانہ جد و جہد کرنی پڑے گی۔ بقول شاعر مشرق ؂

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزیِ پروانہ ہے

مولانا حالی، سر سید احمد خان اور کرنل ہالبرائڈ کی کاوشات نے تو اردو ادب برائے ادب کو برائے زندگی کے تمغات سے ضرور سرفراز کیا۔ مگر وقت کی کروٹیں، تیز رفتار زندگی اور ضرورتوں کے پہاڑ نے اسے "ادب برائے روپیہ" بنا دیا۔ شعری، نثری، تنقیدی اور صحافتی تمام سطحوں پر ادب کا اولین مقصد روپیہ بن چکا ہے۔ یہ بھی برا نہ سمجھا جاتا اگر ادبی حوالوں سے ہماری روحانی سرشاریت و شادابیت نہ چھن چکی ہوتی اور وقت کے سفاک جنگل میں ضرورت صیاد اور زبان و ادب صید نہ بن چکے ہوتے۔ پنجۂ سیم و زر میں ادب ایک ممولے کی طرح پھڑ پھڑا رہا ہے۔ حرص کے سیلاب میں ادبی دیانت داری خس و خاشاک کی طرح بہہ رہی ہے۔ ہوس کی آگ میں ادبِ عالیہ کے کھلیان جل رہے ہیں۔ وہی لفظ لکھے جا رہے ہیں جو اقتدار پسند کرتا ہے، وہی تحریریں لکھی جا رہی ہیں جو ظلِ الٰہی کو مرغوب ہیں، وہی موضوعات قلم بند ہو رہے ہیں جن کی بازار

وقت میں قیمت ہے۔ نقد ونظر کے نام پر قصیدہ خوانوں کے سنہرے اوراق فروخت ہو رہے ہیں۔ نوٹوں کے بنڈلوں کے عوض ادبی شناخت کی تزئین وتدوین ہو رہی ہے۔ مشاعروں کے لیے غزلوں کی منڈیوں کے شوکیس سجے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ ادب کے بازار میں ابن الوقتوں کا بول بالا ہے اور مقدس لوح وقلم کی آبروریزی ناقابلِ بیان ہوتی جارہی ہے ۔اس صورتِ حال کو محسوس کیجیے تو بار بار غالب یاد آتے ہیں۔

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو
توڑا جو تونے آئینہ تمثال دار تھا

اس پر ستم بالائے ستم الیکٹرونک میڈیا کا ہنگامہ اور دھوم دھڑاکا۔ اس طلسم کدے کے سحر نے معاشرے کے ہر چھوٹے بڑے ذہن کو مسحور کر دیا ہے۔ نہ گھریلو مجلسیں ہیں نہ ادبی محفلیں۔ نانی اماں کی کہانی سننے والا کوئی نہیں ہے۔ ماہِ کامل کی سوت کاتتی بڑھیا کو دیکھنے والا کوئی نہیں فرد کا فرد سے رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ ہر شخص الیکٹرونک میڈیا کے سحر کا گرفتار ہے۔ اس جادونگری میں کتابیں چھونے کی کسے فرصت۔ یہی وجہ ہے کہ کتابیں کسی بیوہ کی طرح محرومیوں کی دھول چاٹ رہی ہیں اور ادب کا طائرِ خوش نوا بے حسی کی فضاؤں میں کھوتا جارہا ہے۔

شاید ہمیں اندازہ نہ ہو کہ الیکٹرونک میڈیا کی جادوگری اور شعبدے بازی سے سب سے برا نقصان ہمارے نئی ذہنوں کا ہونے والا ہے۔ اس جادوگری کے پٹارے کی کرشمہ سازیاں اور معجز نمائیاں ہمارے نئے اذہان کو ایسی تساہلی اور سستی شکار بنارہی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ ہماری نئی نسل تخیل کی بلند پروازی، رفتارِ خیال اور جہان تصور سے محروم ہوجائے گی اور پھر کاغذ پر اندھیروں کا وہ سیلاب آئے گا جس کا تصور آج ناممکن ہے ۔ایسا لگتا ہے الیکٹرانک میڈیا کے قزاق دنیا کی ہر زبان کے ادب کا خزانہ لوٹ لیں گے۔ چناں چہ یہ ہماری تہذیبی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے ادب اور زبان کی حفاظت اور تشکیل وتعمیر کے نئے وسائل کی تلاش میں پوری دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ سرگرم ہو جائیں گے کہ اس کے علاوہ بچاؤ کا کوئی اور رستہ نہیں ہے۔ فقط

پروفیسر عائشہ سمن

پڑھ کے محزوں ہوئے ہم شہر خموشاں کے چراغ

لائق صد احترام حضرت مولانا مبارک حسین صاحب چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور

سلام مسنون

خدا کا شکر ہے کہ خیریت سے ہوں، خدا کرے آپ ہمہ وجوہ بخیر وعافیت ہوں گے، آپ کی لکھی ہوئی معرکہ آرا معلوماتی کتاب ”شہر خموشاں کے چراغ“ پڑھی۔ بہت احتیاط اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ آپ نے یہ کتاب لکھی ہے۔ ماہنامہ اشرفیہ کے اداریوں میں جو کچھ آپ نے موقع موقع سے لکھا تھا ان سب کو جمع کر دینے سے اب ایک کتابی شکل میں وہ سب محفوظ ہو گئے اور قاری بھی پڑھ کر ان بزرگوں کی حیات کے واقعاتی اور جماعتی سرگرمیوں کے علاوہ ان کے بارے میں نئے سرے سے یہ بھی جان لیتے ہیں کہ وہ ملت کا اپنے دلوں میں کتنا درد رکھتے تھے اور ملی، ثقافتی اور مذہبی و مسلکی جذبات کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشرتی سوجھ بوجھ بھی کتنا ذمہ دارانہ رکھتے تھے۔ آتش پرسوز کی جلن ان کے سینوں میں تھی، پڑھ کر آنکھوں میں آنسو بھی آئے اور طبیعت ان کے تعلق سے بڑی نم دیدہ ہوگئی۔

پڑھ کے محزوں ہوئے ہم شہر خموشاں کے چراغ
دے گئے درد و الم شہر خموشاں کے چراغ
خامہ فرسائیاں ملت میں بہت ہوتی ہیں
یہ عجب شے ہے رقم شہر خموشاں کے چراغ
کیا تھے وہ بھی کبھی مولانا مبارک صاحب
جن کو اب کہتے ہیں ہم شہر خموشاں کے چراغ
شانِ حق، شانِ خودی، شانِ تمنائے ارم
جلوۂ شانِ کرم شہرِ خموشاں کے چراغ
فکر کے لعل بدخشاں تھے کبھی دنیا میں
وہ جو تھے اہل قلم شہر خموشاں کے چراغ
واعظِ سادہ بھی تھے شعلہ نوا بھی تھے وہ
رکھتے تھے جاہ و حشم شہر خموشاں کے چراغ
سوئے طیبہ کے لیے دل میں للک رکھتے تھے
چومتے نقشِ قدم شہر خموشاں کے چراغ
آج بھی الفتِ طیبہ کی ضیاؤں کے طفیل
لو نہیں رکھتے مدھم شہر خموشاں کے چراغ
گلشن زیست کی تنہائیوں میں اے نازاں
پڑھتے اکثر ہیں یہ ہم شہر خموشاں کے چراغ

آپ نے دیکھا، قاری آپ کی کتاب ”شہر خموشاں کے چراغ پڑھ کر اپنے سینوں میں کیسے کیسے جذبات کے چراغ رکھتے ہیں۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت تھی جس کو آپ نے پورا کیا ہے۔ کن کن بزرگوں کا ذکر کیا جائے سبھی تو اپنی جماعت کے آفتاب وماہ تاب۔ ایک زمانے میں، ایک وقت میں تھے۔ ان حضرات کا مذہبی ومسلکی مسائل میں طوطی بولتا تھا، مناظرہ کہیے، تحریر وتقریر کا میدان کہیے یا ذکر واذکار کی ادبی مجلسیں ہر جگہ۔ آج بھی ان کے نقوش رُلاتے ہیں۔ ذکر چھیڑیے تو آنکھوں سے ساون بھادوں لگ جاتا ہے، قوس وقزح نمودار ہو جاتی ہے۔ آخری بات وہی ہے کہ۔

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

فقط

نازاں فیضی گیاوی، عارف نگرم گیوال۔ بگھہ، گیا، بہار

عالمی خبریں

اوباما کے بیان کی سچائی کیا ہے؟

”امریکی صدر نے مجھ کو اعتماد میں لے کر کہا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہیں“ یہ حیران کن اور چونکا دینے والا بیان امریکہ سے شائع ہونے والی ایک ویب میگزین امریکن تھنکر نے مصر کے وزیر خارجہ احمد ابو الغیث کے حوالے سے شائع کیا ہے ابو الغیث نے مصر کے نیل ٹی. وی. چینل کے ایک پروگرام راؤنڈ ٹیبل شو میں کہا ہے کہ ان کی امریکہ کے صدر براک حسین اوباما کے ساتھ تنہائی میں ایک خصوصی ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے حلفیہ طور پر اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ ایک مسلمان ہیں، ایک مسلم باپ کی اولاد ہیں ان کے سوتیلے والد بھی مسلمان تھے ان کے سوتیلے بھائی کینیا میں رہتے ہیں اور وہ اسلام کے منشور پر یقین رکھتے ہیں۔ ابو الغیث کا یہ بھی کہنا تھا کہ وہ مسلم دنیا سے کہنا چاہتے ہیں کہ وہ صبر سے کام لیں اوباما نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی ان کو امریکہ کے اندرونی مسائل سے نمٹنے میں کامیابی ملے گی وہ عالم اسلام کو بتائیں گے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ کیا سلوک کریں گے امریکن تھنکر کے مطابق اوباما اور ابو الغیث کی یہ خفیہ ملاقات اسی سال جنوری کے مہینہ میں اس وقت ہوئی تھی جب ابو الغیث امریکہ میں ہونے والے مشرق وسطیٰ امن مذاکرات میں حصہ لینے گئے تھے۔ جہاں امریکہ کے عام لوگ اوباما کے اس مبینہ بیان کو جھوٹ پر مبنی اور من گڑھت مان رہے ہیں وہیں اسرائیلی میڈیا کے ذریعہ اس بیان کو بہت شہرت دی جارہی ہے کیوں کہ اسرائیل کے ایجنٹوں کو لگ رہا ہے کہ براک اوباما مسلمانوں کے تئیں نرم رویہ دکھا رہے ہیں جب کہ مسلمانوں کا ماننا ہے کہ براک اوباما نے اب تک زبانی جمع خرچ کے علاوہ مسلمانوں کے لیے کچھ بھی نہیں کیا ہے بہت سے امریکی شہریوں کا کہنا ہے کہ صیہونیوں کی جانب سے براک حسین اوباما کو مسلمان ثابت کرنے کے پیچھے ایک گہری سازش ہے یہ لوگ چاہتے کہ اوباما کو مسلمان ثابت کر کے وہ امریکہ کے قدامت پسند عیسائیوں کو اوباما کے خلاف کر سکیں۔ واضح رہے کہ اوباما کی جانب سے پہلے ہی اعلان کیا جاچکا ہے کہ ایک مسلم باپ کی اولاد ہونے کے باوجود انہوں نے جوانی کے عالم میں اپنی والدہ کا مسیحی مذہب چرچ میں قبول کر لیا تھا خیال رہے کہ براک حسین اوباما کے والد کا تعلق کینیا سے اور ماں کا امریکہ سے تھا۔ اوباما کے والد سے طلاق ہونے کے بعد اوباما کی ماں نے انڈونیشیا کے ایک مسلم نوجوان سے شادی کرلی تھی اسی وجہ سے اوباما ابتدائی تعلیم انڈونیشیا کے ایک مدرسہ میں ہوئی۔ (بحوالہ عالمی سہارا ڈسک)

نامحرم کو محرم بنانے کا عجیب وغریب نسخہ

سعودی عربیہ میں جہاں ان دنوں یہ نکتہ زیر بحث ہے کہ فتویٰ دینے کا اختیار کن مقتدرین کو حاصل ہے، وہیں موسیقی کو حرام کے دائرے سے باہر نکالنے اور نامحرم کو محرم بنانے کے لیے کسی مرد کو کسی عورت کا دودھ پینے کی ایک عالم دین کی تائید نے صورتِ حال کو اور پیچیدہ کر دیا ہے۔ سعودی معاشرے میں گزشتہ چند برسوں سے اسلام مخالف عقائد و معمولات کے رجحان میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ چوں کہ اسلام میں نامحرم مرد وعورت کے درمیان کسی بھی نوعیت کے اختلاط اور خلوت کی سخت ممانعت ہے، اس لیے سعودی معاشرے میں مخلوط تعلیم کے ذریعہ ترقی کی وکالت کرنے والوں نے مذہبی استدلال کے ذریعہ رائے عامہ ہموار کرنا شروع کر دیا ہے۔ غالباً اسی سے تحریک پا کر ایک فتویٰ جاری کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کا دودھ پی لے تو دونوں ایک دوسرے کے لیے محرم بن سکتے ہیں۔ یہ فتویٰ کسی اور نے نہیں شاہی عدالت کے مشیر شیخ العبیکان نے دیا جو وزارتِ انصاف کے بھی صلاح کار ہیں۔ شیخ نے اپنے فتویٰ میں کہا ہے کہ جو عورتیں برابر مردون کے رابطے میں رہنے پر مجبور ہیں وہ انہیں اپنا دودھ پلا دیں۔ اس طرح وہ مرد ان کے لیے محرم بن جائیں گے، انھوں نے کہا کہ بہر حال مرد منہ لگا کر دودھ نہیں پی سکتا بلکہ دودھ نکال کر دینا ہوگا۔ اس طرح اسلامی ضابطے کو توڑے بغیر وہ محرم بن سکتا ہے۔ یہ اطلاع گلف نیوز نے دی ہے۔ ابھی اس فتوے پر اعتراض کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک دوسرے باا‌ثر سعودی عالم ابی اسحاق الحوینی نے نامحرم مرد وعورت کو محرم بنانے کے لیے منہ لگا کر دودھ پینے کی بات کہہ کر معاملے کو مزید پیچیدہ کر دیا ہے۔ خاتون کارکنوں اور ناقدوں نے جہاں اس کی مذمت کی ہے وہیں اغلب امکان ہے کہ سعودی حکومت مداخلت سے کام لیتے ہوئے

فتویٰ سے متعلق سخت ضابطہ بنا سکتی ہے۔ ایک دوسرے فتویٰ کے ذریعہ سعودی عالم دین عادل الکلبانی نے فتویٰ دیا ہے کہ موسیقی غیر اسلامی نہیں، کیوں کہ قرآن کریم میں موسیقی کو حرام قرار نہیں دیا گیا ہے۔ کلبانی مسجد حرام کے پہلے سیاہ فام امام ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ اسلام میں واضح طور پر کہیں یہ حکم نہیں کہ موسیقی حرام ہے۔ (روزنامہ صحافت، ۲؍جولائی ۲۰۱۰)

برطانیہ میں سنی دعوتِ اسلامی کا سالانہ اجتماع

۲۸؍۲۹؍۳۰؍مئی کو پریسٹن کے نور ہال میں سُنّی دعوت اسلامی کا ۱۴؍واں سالانہ سُنّی اجتماع منعقد ہوا۔ پہلا دن خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ مبلغین کے بیانات، سوال وجواب کی نشست، نعت ومنقبت، ذکر ودعا اور امیر سُنّی دعوت اسلامی کے پر اثر خطاب نے دل کے تار تار کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ سُنّی دعوت اسلامی یوتھ ایجوکیشن سینٹر بولٹن میں جاری نرسری کے طلبا نے بھی اپنی مہارتوں کا مظاہرہ کیا اور خوب داد وتحسین حاصل کی۔ خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ خواتین کا اجتماع جمعہ کے بجائے کسی اور دن منعقد کیا جائے تاکہ وہ مکمل وقت دے کر گھر اور بچوں کی ذمہ داریوں سے بے فکر ہوکر علم دین حاصل کر سکیں۔ فیشن پرستی اور مادیت کے سیلاب میں مسلم خواتین کا یہ رجحان ان شاء اللہ عشق رسول ﷺ کے انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

بقیہ دو دن مردوں کے لیے مخصوص تھے۔ مولانا محمد یونس مصباحی نگراں سُنّی دعوت اسلامی یو کے، عارف پٹیل عقیل خان، مولانا محمد حسین بولٹن، مولانا خیر الدین بلیک برن، مولانا نظام الدین مصباحی، مولانا منور عتیق برمنگھم وغیرہ کے بیانات وتربیتی نشستیں چلتی رہیں۔ الحاج محمد رضوان خان، حافظ محمد فیصل پریسٹن، مولانا خالد بولٹن وغیرہ نے نعت خوانی کی محفلیں سجا کر سامعین کو محظوظ کیا۔ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی نے فیس بک پر پیارے مصطفیٰ ﷺ کی گستاخی کا رد بلیغ فرمایا اور نوجوانوں سے اس سے ناتہ توڑنے کی اپیل کی۔

اجتماع میں امیر سُنّی دعوت اسلامی کے آخری خطاب نے پورے مجمع پر رقت طاری کر دی۔ لوگ زار وقطار رو رو کر اپنے گناہوں کو دھونے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس اجتماع کی خصوصیت داعی کبیر امیر سُنّی دعوت اسلامی کا ۱۰؍منٹ کا وہ انگریزی خطاب تھا جس نے سب کو نہ صرف چونکا دیا بلکہ مبہوت کر دیا، حضرت نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں انتہائی سلیس انگریزی میں نوجوانوں کو مخاطب کیا، کمپیوٹر Presentation کے ذریعہ سُنّی دعوت اسلامی کی دیگر سرگرمیوں سے بھی لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔ ذکر ودعا، صلوٰۃ وسلام پر اختتام کے ساتھ سینکڑوں نوجوانوں نے تحریک سے باضابطہ وابستگی کا عہد کیا۔

داتا دربار سانحہ -- سنی تنظیموں کے احتجاجات

سانحہ داتا دربار کے خلاف کئی شہروں میں مظاہروں اور ریلیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مقررین نے رانا ثنا کو کابینہ سے فوری طور پر نکالنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ حکومت دہشت گردوں کے خلاف عملی کارروائی کرے۔ عالمی تنظیم اہل سنت کے زیر اہتمام داتا دربار چوک میں سانحہ کے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ علامہ سید شاہد حسین گردیزی، پیر خادم حسین شرقپوری، محمد عارف اعوان، مولانا شفقت علی، پروفیسر نور محمد، مولانا عمران نوری اور دیگر مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ داتا دربار میں دہشت گردی کرنے والوں اور ان کے سرپرستوں کو فوری گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔ جب تک مجرموں کو گرفتار کر کے سزا نہیں دی جاتی اتنی دیر تک دہشت گردوں اور ان کے سرپرستوں کے خلاف ہمارا احتجاج جاری رہے گا۔ مظاہرے میں مذمتی قرار داد کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ کالعدم تنظیموں کی سرپرستی کرنے والے صوبائی وزیر قانون رانا ثناء اللہ کو کابینہ سے نکالا جائے۔ تحفظ ناموس رسالت محاذ کے زیر اہتمام بھی داتا دربار کے باہر مظاہرہ کیا گیا، جس سے خطاب کرتے ہوئے علامہ رضائے مصطفیٰ نقش بندی نے کہا کہ داتا دربار پر حملہ کرنے والے پاکستان اور اسلام کے دشمن ہیں۔ سید غلام محی الدین نے کہا کہ اولیائے کرام کے مزاروں پر خودکش حملہ حکمرانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ داتا گنج بخش علی ہجویری کے مزار شریف پر بے گناہوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔

اسٹیم سیل -- نابینا افراد کے لیے روشنی کی نئی کرن

حادثاتی طور پر اپنی بینائی کھو دینے والے افراد بھی دنیا کی خوب صورتی کو دوبارہ آنکھوں سے دیکھ سکیں گے۔ اٹلی کے سائنس

دانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حادثاتی طور پر بینائی سے محروم ہونے والے مریضوں کو ان کے اپنے ہی "اسٹیم سیل" سے "کورنیا" بنا کر انھیں دوبارہ دیکھنے کے قابل بنا چکے ہیں۔ اپنی نوعیت کی اس بڑی تحقیق میں اٹلی کے محققین کا کہنا ہے کہ اس طریقۂ علاج میں مریضوں کے صحت مند آنکھوں کے صرف ایک اسکوائر ملی میٹر "لمبس" ٹشو کو متاثرہ آنکھ میں پیوند کاری کر کے ایک نیا "کورنیا" بنا کر ناکارہ آنکھ کو دوبارہ دیکھنے کے قابل بنا دیا گیا ہے۔ اٹلی کی موڈیناز یونیورسٹی کے سینٹر فاری جنر یٹو میڈیسن کے محققین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس طریقۂ علاج سے وہ اب تک ۸۲؍مریضوں کی مکمل بینائی اور ۱۴؍لوگوں کی بینائی جزوی طور پر بحال کر چکے ہیں۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا)

مولانا مودودی کی تمام کتابیں بنگلہ دیش کی مساجد کی لائبریریوں سے ہٹا دی گئیں

بنگلہ دیش میں اسلامی فاؤنڈیشن کے حکم پر برصغیر پاک وہند میں جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی تمام کتابیں ملکی مساجد کی لائبریریوں سے ہٹا دی گئی ہیں۔ اسلامی فاؤنڈیشن ایک سرکاری ادارہ ہے جو مذہبی امور پر نظر رکھتا ہے۔ ملک بھر میں مساجد کی تعداد ۲۴ ہزار کے لگ بھگ پائی جاتی ہے جن کی لائبریریوں سے کتابیں ہٹائی گئی ہیں۔ حکومت کا کہنا ہے کہ مولانا مودودی کی کتابیں اسلامی تعلیمات کی اصل روح کے منافی اور متنازع ہیں۔ ملک کی دوسری پبلک لائبریریوں کے بارے میں ابھی علم نہیں ہو سکا۔ جماعت اسلامی کی جانب سے ابھی کسی قسم کا رد عمل سامنے نہیں آیا ہے۔ واضح رہے کہ بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے زیادہ تر رہنما اور کئی سو کارکن مختلف الزامات کے تحت قید ہیں اور مقدمات کا سامنا کر رہے ہیں۔ (بحوالہ جنگ نیوز)

شاہ نورانی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا ساتواں عرس

۴؍جولائی بروز اتوار مسجد طیبہ کرانسٹ ایمسٹرڈم ساؤتھ ایسٹ میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے ساتواں عرس مبارک کا انعقاد کیا گیا۔ دوپہر ساڑھے بارہ بجے قرآن خوانی کے اہتمام سے آغاز کیا گیا۔ عرس کی تقریبات کے لیے خصوصی طور پر علامہ مرحوم کے صاحب زادے حضرت مولانا انس محمد نورانی صدیقی پاکستان سے تشریف لائے تھے۔ اس روح پرور تقریب میں شرکت کے لیے یورپ کے علاوہ دنیا بھر سے مشاہیر علمائے کرام تشریف لائے تھے۔ مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی مصباحی، علامہ مفتی محمد یونس کشمیری، پروفیسر شاہد رضا نعیمی، مولانا محمد شفیق الرحمٰن مصباحی، قاری خیر محمد، مولانا عبد الغفار نورانی، مولانا محمد واجد حسین نورانی، مولانا ڈاکٹر وقار اعظمی نے خطاب کیا اور مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے کے لیے قائد اہل سنت کی زندگی بھر کی جدو جہد کا بھی تفصیلی ذکر کیا۔ تمام مشائخ کی موجودگی میں جمعرات کو لاہور میں حضرت سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ عرف داتا صاحب کے مزار پاک پر ہونے والے تین خودکش حملوں کی مذمت کرتے ہوئے ایک مذہبی قرار داد بھی پاس کی گئی۔ قرار داد کے حق میں تمام حاضرین بشمول علمائے کرام نے بڑے ہی پر جوش طریقے سے حمایت کی۔ قرار داد حسب ذیل ہے:

"ورلڈ اسلامک مشن کا یہ اجلاس گزشتہ جمعرات کو لاہور میں داتا دربار میں خودکش بم دھماکوں کی بھرپور مذمت کرتا ہے اور عالم اسلام کے ایک برگزیدہ مبلغ وروحانی قائد حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے آستانہ پر اس وحشانہ دہشت گردی کے اقدام کو امتِ مسلمہ کے عقائد ونظریات پر کھلا ہوا حملہ سمجھتا ہے۔ یہ اجلاس حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اسلام اور پاکستان کے ان دشمنوں کا سراغ لگا کر انھیں عبرت ناک سزا دے، اور آئندہ مساجد، مدارس اور مزارات کی حفاظت کو یقینی بنائے۔"

اجلاس میں اس حادثہ کے شہدا کے لیے ایصالِ ثواب کیا گیا، زخمیوں کے لیے صحت وسلامتی کی دعا کی گئی اور پس ماندگان کے لیے صبر ورضا کی دعا کی گئی۔ محفل عرس میں خصوصی دعوت پر بہت سے اکابرین کے علاوہ روٹرڈیم سے شیخ شفقت اپنے دوستوں کے ساتھ تشریف لائے اور مسجد الکرم ایمسٹرڈم کے صدر چودھری مختار وزاہد ملک اور غوثیہ مسجد ایمسٹرڈم سے امام مسجد مولانا برکاتی نے بھی اپنے ساتھیوں سمیت شرکت کی۔ خواتین کے لیے حجاب کا اہتمام تھا، بہت سی خواتین نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی۔ نمازِ عصر کے وقت صلاۃ وسلام اور دعا پر محفل اختتام پذیر ہوئی۔

☆☆☆

خیر و خبر

خضر پور کولکاتا میں دعوتی و اصلاحی سیمینار

شہر کولکاتا کی سرگرم تنظیم دعوتِ قرآن کے زیر اہتمام ۱۸/۱۹/ مئی کو خضر پور میں ایک عظیم الشان دعوتی و اصلاحی سیمینار کا انعقاد ہوا جس میں ملک کی مختلف ریاستوں کے علما اور دانش وران نے شرکت کی۔

سیمینار کی پہلی نشست کا آغاز ۱۸/ مئی بروز سہ شنبہ بعد نمازِ ظہر تلاوتِ کلام پاک اور نعتِ رسول ﷺ سے ہوا۔ اس نشست کی صدارت امام احمد رضا سوسائٹی کولکاتا کے چیرمین مولانا شاہد القادری نے فرمائی، جب کہ افتتاحی کلمات مولانا امتیاز احمد مصباحی صدر تنظیم دعوتِ قرآن نے پیش کیے۔

پہلی نشست میں "عقائد اہل سنت و مسائل حنفیہ تحقیق و تخریج اور طریقۂ کار" کے عنوان پر مقالات پیش کیے گئے اور مندوبین کے مابین موضوع کے مختلف گوشوں پر مفید بحثیں ہوئیں۔

سیمینار کی دوسری نشست ۱۸/ مئی کو بعد نمازِ مغرب تا ۱۱/ بجے شب ہوئی جس کی صدارت حضرت مولانا مقبول احمد مصباحی بانی و مہتمم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی نے فرمائی اور افتتاحی کلمات مولانا ذیشان احمد مصباحی مدیر ماہ نامہ جام نور دہلی نے پیش کیے۔ اس نشست کا عنوان تھا "تصنیف و تالیف اور اس کا منہج" جس کے تحت مندوبین کے مقالات پر تبادلۂ خیال ہوا اور تصنیف و تالیف کے نہج پر گراں قدر آرا پیش کیے گئے۔ اس نشست کا اختتام مولانا مقبول احمد مصباحی کے صدارتی کلمات اور دعاؤں پر ہوا۔

سیمینار کی آخری نشست ۱۹/ مئی کو صبح ۸/ بجے سے ۱۱/ بجے تک ہوئی جس میں "دعوت و تبلیغ اور اس کا طریقۂ کار" پر غور و خوض ہوا۔ علما و دانش وروں نے اس تعلق سے نہایت اہم نکات پیش کیے اور ان پر عمل درآمد کے لیے کلکتہ میں تنظیم دعوتِ قرآن کو بہترین پلیٹ فارم قرار دیا۔ مولانا ظفر الدین برکاتی نے افتتاحی کلمات پیش کیے جب کہ مولانا مقبول احمد مصباحی نے خطبۂ صدارت پیش کیا۔ سیمینار کی ان نشستوں میں مندرجہ ذیل علما اور دانش وروں نے شرکت کی۔

مولانا مقبول احمد مصباحی، مولانا شاہد القادری، مولانا ذیشان احمد مصباحی، مولانا ظفر الدین برکاتی مصباحی، مولانا غلام مصطفیٰ انعام القادری ازہری، مولانا عابد رضا مصباحی، مولانا طفیل احمد مصباحی، مولانا ساجد رضا مصباحی، مولانا شاہجہاں مصباحی، مولانا فیض احمد مصباحی، مولانا اکبر حسین رضوی۔

از: ساجد رضا مصباحی

مارہرہ میں عرس سید العلما

۲۴/۲۵/۲۶/ مئی کو گلِ گلزارِ برکاتیت حضرت سید العلما کا سالانہ عرسِ پاک جانشین سید العلما حسنین میاں نظمی کی صدارت اور سید سبطین حیدر میاں کی قیادت میں تزک و احتشام کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا جس میں ملک و بیرون ملک کے عقیدت کیشوں نے شرکت کی۔ ۲۴/ مئی کو بعد نمازِ عشا مزار پاک کے احاطہ میں مجالس عرس کی پہلی کڑی کا آغاز ہوا جس مین قاری یونس شیرانی، قاری صدیق ناگوری اور قاری رئیس نے نعتیں پیش کیں، جب کہ سید سبطین حیدر میاں صاحب نے خصوصی استقبالیہ خطاب کیا۔ وہ منظر نہایت رشک افزا تھا جب قبلہ نظمی میاں اپنے گرامی مرتبت فرزندوں کے ساتھ خاندانی روایات کے مطابق بظاہر نیچے جلوہ فرما تھے اور مہمان علمائے کرام اسٹیج پر۔ ۲۵/ کو صبح ۹/ بجے سے ۱۲/ بجے تک پروگرام ہوا جس میں مذکورہ افراد کے علاوہ مولانا علاء الدین مصباحی نے بھی ایمان افراز خطاب کیا، اسی دن بعد عشا مولانا زبیر مصباحی ممبئی نے خصوصی خطاب فرمایا۔

۲۶/ مئی کو صبح ۹/ سے ایک بجے تک پھر علمائے کرام نے گلہائے عقیدت پیش کیے خصوصاً مولانا جلال الدین بستوی، حافظ اشرف شیرانی اور مفتی جیش محمد صدیقی نے خطاب کیا۔ پروگرام کی ابتدا قاری غوث الوری کی تلاوت اور اختتام سید نظمی میاں کی دعا پر ہوا۔

از: خالد ایوب مصباحی، شیرانی آباد، ناگور

دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا گجرات میں جشن حافظِ ملت

سرزمین گجرات کا معروف و مشہور دینی ادارہ دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا دھرول جام نگر کے زیر اہتمام بانیان دار العلوم مولانا محمد عثمان غنی کی قیادت، حافظ و قاری محمد آدم کی سرپرستی اور مفتی محمد محسن رضا بادی کی صدارت میں ۱۶/ مئی کی شب....... (باقی ص: ۴۸ پر)

ملت کے نام حضرت عزیز ملت کا پیغام

حضرات گرامی .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ سے یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ آج اسلام و سنیت کو مختلف چیلنجوں کا سامنا ہے اور ہر محاذ پر مقابلہ کے لیے ماہر و معتبر علما کی جماعت ضروری ہے اور ایسے ماہرین پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے تعلیمی شعبوں کو مزید آگے بڑھائیں اور فضیلت سے فارغ ہونے والے علما کے لیے تحقیق اور مطالعہ کے کچھ ایسے تربیتی شعبے قائم کریں جن میں اسلام و سنیت کے ساتھ دیگر مذاہب مثلاً یہودیت، عیسائیت، قادیانیت، رافضیت وغیرہ پر گہری نظر رکھنے والے الگ الگ گروپ تیار ہوں، جو تقریری و تحریری طور سے باطل کا جواب دے سکیں اور ان میں بھی الگ الگ ممالک اور مختلف زبانوں کے لحاظ سے افراد تیار ہوں، جو بیرون ملک بھی اسلام و سنیت کی حفاظت کا فریضہ انجام دے سکیں، اسی طرح پیدا شدہ حالات کی روشنی میں نئے نئے فقہی سوالات بھی جنم لے رہے ہیں، جن کے حل کے لیے ماہر فقہا و مفتیان کی تخریج ضروری ہے، جب کہ ابتدائی فارسی و عربی سے عالم و فاضل تک کے کورس کو مزید مستحکم و نتیجہ خیز بنانے اور زیادہ سے زیادہ اچھے افراد پیدا کرنے کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے۔ نصاب کی اصلاح اور نئی کتابوں کی تیاری کے لیے بھی تجربہ کار اہلِ قلم کا ایک بورڈ ضروری ہے۔ ادارے کو اسلامی یونیورسٹی کی شکل دینے کے لیے کالج کی سطح کے مختلف شعبوں کا قیام اور ان کا معقول انتظام بھی ہمارے سامنے ہے۔ لیکن ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے مختلف اسباب و وسائل کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک اہم مسئلہ سرمایہ کی فراہمی کا بھی ہے، کیوں کہ ہماری سرپرستی کے لیے کوئی حکومت نہیں ہے جو دینی منصوبوں کی روشنی میں مصارف کا انتظام کرے۔ ہماری ضروریات غریب مسلمانوں اور قوم کے اہلِ خیر حضرات ہی سے پوری ہوتی ہے۔ ادارہ کے پھیلاؤ اور تعلیمی و تعمیری ترقیاتی منصوبوں کے پیش نظر اہلِ خیر حضرات کی مزید توجہ اور اعانت کی سخت ضرورت ہے۔ اس کے لیے بعض اہلِ خیر نے یہ تجویز رکھی ہے کہ پورے ملک سے دس ہزار ایسے ممبر بنائے جائیں جو کم از کم ایک بار گیارہ ہزار ایک سو گیارہ روپے کا تعاون پیش کریں اور ادارہ ان کو اعزازی رکنیت کی سند بھی عطا کرے۔ اگر اس مطلوبہ تعداد میں ممبر سازی مکمل ہو جاتی ہے تو اگلے بہت سے منصوبوں کی تکمیل آسان ہو جائے گی۔

اس تجویز کی روشنی میں ہم آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ دین کے فروغ و استحکام اور قومِ مسلم کی سربلندی کے لیے آپ خود بھی مخلصانہ قدم بڑھائیں اور اپنے احباب و متعلقین کو بھی تیار کریں اور ایسے حضرات کی نشان دہی فرمائیں جن کو اس کارِ خیر میں شریک کیا جا سکے۔ امید ہے کہ آپ رکنیت فارم پُر کرنے کے ساتھ اپنی رقم گیارہ ہزار ایک سو گیارہ روپے (Rs. 11,111) دستی یا الجامعۃ الاشرفیہ (Al-Jamiatul, Ashrafia) کے نام ڈرافٹ بنوا کر بہت جلد ارسال فرمائیں گے اور دوسرے ایسے اہل سنت کے پتے بھی فراہم کریں گے جن سے رابطہ کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دارین کی سعادتوں سے نوازے اور دینی کاموں میں حصہ لینے کی پوری توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی مصیبت و پریشانی سے محفوظ و مامون رکھے، آمین۔

رابطے کا پتہ: مجلسِ تعمیر و ترقی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ۔ (یو. پی.)

از: عبد الحفیظ عفی عنہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

R.N.I. No.: 29292/76 Regd No.: AZM/N.P.28

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur, Azamgarh (U.P.)-276404 Phone:(05462)250092, 250149, Fax:251448

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: info@aljamiatulashrafia.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان کے در سے آج تک خالی کوئی لوٹا نہیں
ان کے در سے دیکھ کیا ملتا نہیں

مانگ لے پھر ایسا موقع بار بار آتا نہیں
کعبۂ ایماں یہی ہیں ان کے گھر میں کیا نہیں
ان کی چوکھٹ چوم لے

عرسِ مقدس

شناور بحر شریعت و طریقت، واقف رموز معرفت و حقیقت، مظہر کمالات ولایت، سرچشمہ لطف وعنایت حضرت الحاج صوفی

سید نواب علی شاہ

حسنی عزیزی ابوالعلائی چشتی قادری۔ قدس اللہ سرہ العزیز

کا ۱۸ اٹھارھواں

سالانہ عرس مبارک

بمقام۔ قاضی پور شریف، پوسٹ منڈوہ، تحصیل کھاگا، ضلع فتحپور ہسوہ، یوپی (انڈیا)

میں بتاریخ ۹ تا ۱۲ شوال المکرم ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲ ستمبر ۲۰۱۰ء کو بہت شاندار پیمانے پر منعقد ہو رہا ہے، جسمیں علمائے کرام فضائل و کرامات بیان فرمائیں گے، شعرائے کرام نعت پاک و منقبت پیش کریں گے۔ بعدہٗ محفل سماع کا بھی پروگرام ہوگا۔ لہٰذا تمامی وابستگان سلسلہ عالیہ و محبان بزرگان دین حضرات سے گذارش ہے کہ کثیر تعداد میں شرکت فرما کر فیوض و برکات نورانی و روحانی سے مستفیض ہوں۔

پروگرام آستانہ عالیہ نوابیہ

ایام	شوال المکرم	ستمبر	بعد نماز فجر	بعد نماز ظہر	بعد نماز عصر	بعد نماز مغرب	بعد نماز عشاء
اتوار	9	١٩	قرآن خوانی وصلوٰۃ وسلام	تقسیم لنگر شریف	سرکاری چادر پوشی وگل پوشی	صلوٰۃ وسلام و چراغاں	محفل نعتیہ ومنقبتیہ مشاعرہ
پیر	١٠	٢٠	قرآن خوانی وصلوٰۃ وسلام	تقسیم لنگر شریف	عام چادر پوشی وگل پوشی	صلوٰۃ وسلام و چراغاں	حلقۂ ذکر محفل سماع و شب بیداری
منگل	١١	٢١	قرآن خوانی وقل شریف ١٠ بجے دن	تقسیم لنگر شریف	ذکر قلندری	صلوٰۃ وسلام و چراغاں	حلقۂ ذکر ومحفل سماع
بدھ	١٢	٢٢	غسل شریف صندل شریف وصلوٰۃ وسلام	تقسیم لنگر شریف	گل پوشی وصلوٰۃ وسلام	صلوٰۃ وسلام و چراغاں	میلاد شریف ومحفل سماع

الداعی الی الخیر۔

صوفی سید محمد عزیز الحسن شاہ

نوابی، لیاقتی جہانگیری ابوالعلائی، چشتی، قادری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوابیہ

قاضی پور شریف، پوسٹ منڈوہ، تحصیل کھاگا، ضلع فتحپور ہسوہ

تمنائی قربت
تربت جلال بھیرہ کے ہمراہ